قتل ناحق کی سنگینی!

جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

❁......((كل ذنب على الله أن يغفره إلا من مات مشركا، أو مؤمن قتل مؤمنا متعمدا.))

''شاید اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے۔ مگر جو مشرک مرا، یا وہ صاحب ایمان جس نے دوسرے مومن کو عمداً قتل کیا۔ (ان کو اللہ اپنی رحمت سے معاف نہیں فرمائے گا)''

❁......((لا يزال المؤمن معنقا صالحا مالم يصب دما حراما، فإذا أصاب دما حراما بلّح.))

''مومن (کا ضمیر) ہمیشہ ہلکا پھلکا اور اچھے اعمال کی توفیق سے بہرہ مند رہتا ہے جب تک وہ حرام خون (یعنی ناحق قتل) کا مرتکب نہ ہو۔ جب وہ اس کا مرتکب ہو جاتا ہے تو توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔'' (سنن ابی داود، حدیث: ۴۲۷۰)

شیریں گفتار ہونا مبلغ کے لیے ضروری ہے

فرعون کے پاس بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آج کل کے علماء کو انھیں آبِ زر سے لکھ لینا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھنا میری یاد سے غافل نہ ہو جانا اور ہر وقت عبودیت اور نیازمندی کے تعلقات کو قائم رکھنا۔ کیوں کہ یہی چیز ہے جس سے دلوں میں پاکیزگی موجود رہتی ہے اور انسان دنیا کی تمام لذتوں کو آخرت کے مقابلے میں حقیر سمجھتا ہے۔ ذکر و شغل کی برکات سے روح میں نزہت و توانائی پیدا ہوتی ہے اور دل و دماغ مجلّٰی اور روشن ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ اکسیر ہے جس کے باعث چہروں پر نور اور قلب میں سرور موج زن ہوتا ہے اور یہی وہ کبریتِ احمر ہے جس سے بہرہ ور ہونے والا انسان حقیقتاً نہایت خوش قسمت انسان ہے۔

موسیٰ اور ہارون چونکہ ایک بہت بڑی مادی قوت سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان میں اسی تناسب سے روحانیت ہو اور فرعون کے عساکر کے مقابلے میں ان کے پاس بھی اللہ کی زبردست اعانت موجود ہو۔

علماء اور راہنمایانِ دین کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے اس ارشاد کو نہ بھولیں اور مقامِ اصلاح پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے صالح، نیک اور خدا پرست انسان بننے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جب کبر و غرور کے اس مجسمے کے پاس جاؤ جس کا نام فرعون ہے تو نہایت رفق و ملاطفت سے پیش آنا۔ حلاوت و شیرینی سے باتیں کرنا تاکہ اُس کے دل میں اثر پیدا ہو سکے اور اس کی قساوتِ قلبی پر خشیتِ الٰہی غالب ہو جائے۔ یہاں ذرا ملاحظہ کیجیے۔ فرعون کے مقابلے میں جو جابر ہے، ظالم ہے اور بدرجہ اتم سرکش ہے، اپنے پیغمبر کو اخوت اور ملاطفت کی تلقین کی جا رہی ہے۔ سوچیے اور بتائیے، ہمارے علماء اور قدسیانِ طریقت کا رویہ عام مسلمانوں کے مقابلے میں کیا ایسا ہی ہے؟ وہ مسلمان جو کلمہ گو ہیں، خدا کو ایک مانتے ہیں اور فروتنی و انکسار سے رہنا اپنے لیے فخر جانتے ہیں، ان کی ادنیٰ کوتاہیوں اور لغزشوں پر ہمارے علماء اور مرشدین کس خشونت اور درشتی سے پیش آتے ہیں۔ (مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

23 رجب المرجب 1435ھ جمعۃ المبارک 23 تا 29 مئی 2014ء

الاعتصام

مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان

ہفت روزہ

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 21 جلد 66

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

دنیا ایک گاؤں؟

حافظ احمد شاکر

عربی کا ایک محاورہ جو مبنی بر حقیقت بھی ہے کہ ’’جاء البرد والجبات‘‘ یعنی سردیوں کے ساتھ گرم جبے بھی آجاتے ہیں۔ پاکستان میں صنعتی، تجارتی، معاشی اور اخلاقی ترقی کی وہ رفتار نہیں رہی جو اس ’’نظریاتی مملکت‘‘ میں اشاعتِ فحش کی رفتار رہی تاہم نیو ورلڈ آڈر کے ظہور تک فحش کی اشاعت میں قدرے جھجک اور حیا کے رکھ رکھاؤ کا بھرم رکھا جاتا تھا لیکن نیو ورلڈ آرڈر کے اجراء یعنی اس کے اعلان ہونے کے بعد فحش کے سیلاب کا جو ریلا آیا اس کی رفتار نے گزری ہوئی چالیس سالہ مدت کو تیز رفتاری سے چالیس مہینوں بلکہ چالیس ہفتوں میں اس کی کسر نکال دی۔ ذرائع ابلاغ......اخبارات، ٹی وی چینل وغیرہ......ضیاء آمریت کی گیارہ سالہ...... پردہ وغیرہ کی......قدغنیں ایک جھٹکے میں تار تار کر کے نیو ورلڈ آرڈر کی تشہیری مہم کو عروج پر لے گئے۔ میڈیا چراغ خانہ کو شمع محفل بنانے اور جلباب وحجاب کی وضع داریوں کو دقیانوسی اور پتھر کے زمانے کی بودوباش بتاتے ہوئے بے پردہ ہونے لگا اور نیو ورلڈ آرڈر کی اہم شق ’’دنیا کو ایک گاؤں‘‘ بنانے کا ایجنڈا پورا کرنے میں اسی طرح جت گیا کہ اگلے وقتوں کے لوگ اہل خانہ کے ساتھ میڈیا پر وقت گزاری کرنے سے کترانے بلکہ شرمانے لگ گئے۔ شرفاء کی اس ناروا بلکہ مجرمانہ خاموشی نے شیاطین الانس والجن کے حوصلے بڑھائے مستزاد یہ کہ اہل دین بھی تبلیغ دین کے نام پر ٹی وی چینلوں پر شوق نمائش کو جب ’’دین‘‘ کے لیے ضروری قرار دینے کے فسوں میں مبتلا ہو گئے تو پھر یہ سیلاب بھلا کیسے رک سکتا تھا؟

....

انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں ’’دنیا ایک گاؤں بن جائے گی‘‘ کے عجوبے کا عالمی ذرائع ابلاغ نے راگ الاپنا شروع کیا تھا، چنانچہ ڈش آگئی جس سے ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس سے مراد خبر کی تیز رفتاری ہے پھر موبائل آگیا ہم نے جانا یہ عجوبہ ہر گھڑی رابطے کا نام ہے، انٹرنیٹ عام ہوا تو دنیا بھر میں فوری رسائی کو گاؤں سمجھ لیا گیا۔ اب 3G,4G پاکستان میں لانچ ہو گیا تو ہر جیب میں انٹرنیٹ پہنچنا آسان تر ہو جانے کے بعد تو دنیا کے گاؤں بن جانے پر ہر ایک کو حق الیقین ہو گیا۔ لیکن سازش کاروں کی حسب عادت ’’دنیا کے گاؤں‘‘ بن جانے کی حقیقت کچھ اور تھی جو طاغوت اپنی فطری دسیسہ کاری کے باعث ابھی تک چھپا کر دھیرے دھیرے ہی دینی اقدار غیر اہم کرنے اور علاقائی ثقافت کو تاراج کرنے کا ایک ایک پہلو ظاہر کر رہا ہے۔ ’’دنیا ایک گاؤں‘‘ کا جو معنی ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی مذہب وملت کا نہ کوئی دین رہے، نہ کوئی معاشرت رہے اور نہ ثقافت۔ پوری دنیا بے حیائی کی اس غلاظت سے لتھڑ جائے جس نے مغرب کے خاندانی نظام اور اس کی معاشرت کو اتھل پتھل کر دیا ہے کہ یہ خواہش اور ایجنڈا اس قوم کا ہے جو بزعم خود انسانیت پر غالب آجانے کے خبط میں مبتلا ہے جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس قوم کو (مغضوب علیہ) فرما چکا ہے یعنی اس قوم کو قیامت تک کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے غصے کا حق دار ٹھہرا چکا ہے۔ یہ قوم دو صدیوں سے دنیا میں فحش پھیلانے کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہے جس کے لیے ہر ملک اور ہر ملت سے اس قوم کو اپنے مقاصد بر آری کے لیے بعض کم نصیب افراد مل جاتے ہیں جن کو مفادات کے فیڈر سے بہلا کر یہ قوم اپنے کام میں لے آتی ہے۔

....

تصویر کی حرمت صحیح حدیث سے ثابت ہے، گزشتہ صدی کے پہلے نصف میں مصر کے بعض جدید علماء وفقہاء نے تصویر کی حلت کی حیلہ سازی اور تصویر کو ہاتھ سے تراشنے یا ہاتھ سے ...... پورٹریٹ...... بنانے میں خود ساختہ فرق کرتے ہوئے کیمرے سے تصویر اتارنے کی دجالانہ حیلہ

سازی کرتے ہوئے اس کے جواز کے رخنے یعنی ابلیسی حیلے نکالے تو اس وقت کے علمائے جدید کی اس نئی تحقیق سے تصویر کی حرمت پر بحث کے دروازے کھلنے لگے۔حالانکہ اس کی حرمت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جسے اُصول فقہ میں نص صریح کہا جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ تو انسانی اصلاح وتربیت میں اس قدر حساس ہے کہ شریعت نے بعض ان اشیاء کو بھی جو فی نفسہ تو بے شک حرام نہیں لیکن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سداً للذریعة...... برائی کا راستہ روکنے کی خاطر......ان کے استعمال سے منع فرمادیا۔جس کی واضح مثال حرمت شراب کے موقع پر آپ ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جس میں آپ ﷺ نے شراب پیے جانے والے برتنوں کے ......عام ضرورت کے لیے...... استعمال سے بھی منع فرمادیا۔لیکن جو علماء تبلیغ دین کے لیے اس کو ناگزیر جانتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ حسب ارشاد نبی ﷺ حرام چیز میں شفاء نہیں ہوتی تو حرام چیز سے تبلیغ دین کس طرح جائز اور اس سے ہدایت کس طرح ممکن ہے؟ کیا تصویر کی حلت کے اس رخنے سے انبیاء علیہم السلام اور نبی ﷺ کے خاکے نہیں بنے؟ جو حکم جاہل کی تصویر کا ہے وہی عالم کی تصویر کا ہے تو جو گناہ ایک صالح کی تصویر کا ہے وہی گناہ ایک غیر صالح کی تصویر کا ہے کہ شریعت کے احکام میں من مانی تخصیص وتعمیم نہیں کی جاسکتی۔تصویر کے جواز نے کیا کیا رنگ نہیں دکھائے؟ حالت ایمان میں جو نفوس قدسیہ زیارت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہو گئے اور ایمان ہی کی حالت ہی میں انھیں موت آئی ان نفوس قدسیہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی رضامندی کا تمغہ عطا فرمادیا ہے یا لیکن اہل بیت اطہار تو رضائے الٰہی کی نعمت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ ہر درود میں شرکت کا ایسا افتخار رکھتے ہیں جو کسی اور صحابی کے نصیب میں بھی نہیں۔اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسی مقدس ہستیوں کے بارے میں اگلے روز ایک چینل پر جس اہانت کا ارتکاب کیا گیا ہے کیا وہ اسی تصویری جواز کا شاخسانہ نہیں؟ سوال یہ ہے کیا وہ نادانستہ ہوا ہے؟ کسی پروگرام یا اس چینل کے مالکان کی کسی نیت پر شبہ کیے بغیر عرض ہے کہ طاغوت کی سوچی سمجھی منصوبہ بندی سے یہ سب کچھ دانستہ ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دینی جذبات کے منجمد تالاب میں اس طرح کے زہریلے پتھر پھینک کر تالاب کی گہرائی کا اندازہ کرتا رہتا ہے۔اس طرح کے اسلام دشمن سازشیوں کے ذہن سازش کرتے وقت نبی ﷺ کے اس عزت وشرف سے غافل ہوجاتے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کی ذات گرامی کے بارے میں سورہ مائدہ میں ارشاد فرماچکا ہے کہ ’’اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا‘‘ نیز قرآن حکیم ہی میں ایک سے زیادہ مقامات پر فرمایا کہ: ’’اللہ تعالیٰ اپنے نور...... ہدایت......کو مکمل کرکے رہے گا اگرچہ مشرک اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔‘‘

اس کی توقع تو نہ تھی اور نہ ہے:

میاں صاحبان اقتدار کی موجودہ مدت میں شاید بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں جس میں معیشت وتجارت بھی ہے اور توانائی کی بحالی بھی،عوام کو سہولیات دینے کا جذبہ بھی شاید ان میں جنون کی حد تک ہے اور مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کی سعادت کے بھی وہ خواہش مند ہیں۔لیکن نامشرف دور میں میڈیا کی آزادی یا آزادی اظہار کا جو ریلا ذرائع ابلاغ پر نمودار ہوا وہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ وہ دینی روایات، دینی اقدار کے احترام اور ملی وثقافتی آداب کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا، اس آزادی اظہار میں عقائد، کہ ان کی نہ کسی کے ہاں اہمیت ہے اور نہ علم ہے اور نہ ہی احساس، کی پامالی کے علاوہ معاشرتی اقدار کا جنازہ نکلنے میں بھی کوئی کمی نہیں رہ گئی تھی افسوس ناک امر یہ ہے کہ تمام سیاسی حتیٰ کہ مذہبی طبقے بھی اس پر خاموشی کی مجرمانہ غفلت کے مرتکب رہے۔اب جب اولاً وطن عزیز کا حساس ترین ادارہ اس بدترین آزادی اظہار کی زد میں آگیا اور بعد میں اس ناوک فن نے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تقدس کو بھی مجروح کردیا تو محبّ وطن پاکستانی اور غیور اہل ایمان یہ ملی زیادتی اور مذہبی گستاخی برداشت نہ کرسکے تو سراپا احتجاج ہو کر سڑکوں پر نکل آئے،لیکن موجودہ حکمرانوں یعنی وفاق اور پنجاب حکومتوں کے اغماض نے بہت سارے سوالات اُٹھا دیے ہیں اور مزید پیدا ہونے کا خطرہ الگ کہ پاکستان کے امن دشمن تو ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے ہیں۔میاں صاحبان! آپ کی پاکستانیت اور آپ کے گھرانے کے مذہبی جذبات جو کسی سے مخفی نہیں،سے اس کی توقع کسی کو نہ تھی اور نہ ہے حکمرانی آنی جانی چیز ہے لیکن ایمانی غیرت اور وطن کی محبت ایسی نعمتیں ہیں جن سے ہر کوئی بہرہ ور نہیں ہوتا، آپ ان سے سرفراز ہیں تو آپ ان کی حفاظت کریں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

درس قرآن

قسط نمبر ۵۴

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل پر مبنی بات کا تو قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس لیے اُنھوں نے اپنی قوت وشوکت کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاموش کرانا چاہا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے یہ واقعات دراصل اپنے اندر موعظت ونصیحت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا سامان بھی رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے بعد فرمایا گیا ہے:

﴿وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۰﴾ [ھود: ۱۲۰]

”اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ چیز تجھ سے بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ ہم تیرے دل کو ثابت رکھتے ہیں اور تیرے پاس ان میں حق اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی آئی ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے میں بھی یہ اشارہ ہے کہ جیسے کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل و براہین سے عاجز آکر بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ روز روز کی یہ بات ہی ختم ہو جائے۔ تو مخالفت کا یہ انداز نیا نہیں اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کے بارے میں بھی قوم نے یہی فیصلہ کیا تھا، چنانچہ اُنھوں نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ ایک عمارت بنائی جائے، پھر اس میں آگ بھڑکائی جائے اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک بڑی عمارت بنائی۔ اس عمارت کی نوعیت اور آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالنے کی کوئی تفصیل قرآن پاک اور احادیث میں مذکور نہیں۔ البتہ امام ابن جریر طبری نے اور انھی کے حوالے سے دیگر مفسرین اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶/۳۹۹) میں اسماعیل السدّی الصغیر سے نقل کیا ہے کہ ایندھن جمع کرنے کا عالم یہ تھا کہ اگر کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو یہ نذر مانتی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو ابراہیم کو نذر آتش کرنے کے لیے ایندھن جمع کروں گی۔

بالآخر ایندھن کو آگ لگا دی گئی آگ روشن ہوئی اس کے شعلے بلند ہو گئے۔ اس سے اتنی بڑی بڑی چنگاریاں اُڑنے لگیں کہ اس جیسی پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق میں رکھا جو فارس کے کُرد قبیلے کے ”ہیزن“ نامی شخص نے بنائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ دیا۔ زمین و آسمان، پہاڑ اور فرشتے کہنے لگے اے ہمارے رب! تیرا خلیل ابراہیم جلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں اگر وہ تمھیں پکارے تو اس کی مدد کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ آپ آسمان پر اکیلے ہیں میں اکیلا زمین پر آپ کا عبادت گزار ہوں، مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب انھیں آگ میں ڈالا جانے لگا تو بارش کا فرشتہ کہنے لگا: مجھے کب حکم دیا جائے گا کہ میں بارش برساؤں؟ مگر اللہ کا حکم اس سے پہلے پورا ہو گیا۔

بعض حضرات سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام منجنیق کے اندر ہوا میں تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ کو کوئی حاجت؟ اُنھوں نے فرمایا: آپ سے تو کوئی کام نہیں۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب انھیں باندھا جا رہا تھا تو تب آپ یہ فرما

رہے تھے:

"لا اله الا انت سبحانك رب العالمين ، لك الحمد ولك الملك لا شريك لك ."

''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے جہانوں کے مالک، تیری ہی تعریف، تیری ہی بادشاہت ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب انھیں آگ میں ڈالا گیا تو ان کا آخری بول یہ تھا: "حسبی الله ونعم الوكيل."

(صحیح بخاری، حدیث: ۴۵۶۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے امام ابونعیم کی المستخرج سے نقل کیا ہے۔ "انها أول ماقال" کہ اُنھوں نے سب سے پہلی بات یہی کہی تھی۔ گویا وہ اول و آخر یہی کہے جا رہے تھے: حسبی الله و نعم الوكيل .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آگ میں پھینکے جانے کے وقت اُنھوں نے "حسبنا الله و نعم الوكيل" کہا تھا۔

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝﴾[آل عمران:۱۷۳]

(صحیح بخاری، حدیث: ۴۵۶۳)

''بے شک لوگوں نے تمھارے لیے (فوج) جمع کر لی ہے۔ سو ان سے ڈرو، تو اس (بات) نے انھیں ایمان میں زیادہ کر دیا اور اُنھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

صحیح بخاری ہی میں قوم کی اس بھڑکائی جانے والی آگ کے بارے میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((كان ينفخ على ابراهيم علیہ السلام .))

(صحيح بخاري ، حديث: ٣٣٦)

''وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونکیں مارتی تھی۔''

حضرت سائبہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی تو ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا اُم المومنین! آپ اس نیزے کو کیا کرتی ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: یہ چھپکلیوں کو مارنے کے لیے ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین کا ہر جانور آگ بجھاتا تھا لیکن چھپکلی آگ میں پھونکیں مارتی تھی، ہمیں آپ نے انھیں مارنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۳۲۱) یہی روایت مسند امام احمد (۶/ ۲۱۷، ۲۰۰) میں بھی منقول ہے۔ (فتح الباری ۶/ ۳۹۵)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف عداوت کس قدر عروج پر تھی تنہا ابراہیم علیہ السلام ایک طرف تھے اور مقابلے میں پوری قوم کے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی۔

یاد رہے کہ چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دراصل اس کے موذی ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للوزغ الفويسق ."

(صحيح بخاري ، حديث : ٣٣٠٦)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو فویسق، یعنی موذی فرمایا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پانچ جانور فویسق ہیں ان کو حرم میں قتل کرو: چوہا، بچھو، چیل کوا اور پاگل کتا۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۳۳۱۴ وغیرہ)

جس طرح ان پانچ جانوروں کو موذی ہونے کی وجہ سے حرم میں بھی قتل کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح چھپکلی کو بھی موذی ہونے کی بنا پر قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور آگ میں پھونک لگانا اصل علت نہیں جزوِ علت ہے جس میں اس کی خباثت اور فطری شیطنت کی طرف مزید اشارہ ہے۔ بعض جانور فطرۃً شریف ہوتے ہیں اور بعض فطرۃً شریر ہوتے ہیں جیسے بچھو اور چھپکلی ہے۔ یہاں بھی چھپکلی کی طبعی خباثت بیان کرنا مقصود ہے۔ اس کی اس حرکت سے آگ میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں، یہ مطلوب نہیں۔

افتاء

دیے ہوئے قرض سے فائدہ اٹھانے کا حکم؟

مفتی عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ

سوال: ایک آدمی نے پیشگی پچاس ہزار روپے دے کر ایک مکان سات ہزار روپے ماہ وار کرائے پر لیا۔ اب اس آدمی نے یہ مکان چھ لاکھ ایڈوانس دے کر پانچ سو روپے ماہ وار کرائے پر لیا ہے۔ کیا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟ بعض مفتیان کا فتویٰ ہے کہ یہ سود ہے۔ بعض ائمہ مساجد کہتے ہیں کہ یہ معاملہ جائز ہے، سود نہیں۔

کیا مفتیوں کا فتویٰ صحیح ہے یا ائمہ مساجد کی رائے صحیح ہے؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔ (محمد یونس بلوچ، بلوکی، ضلع قصور)

الجواب بعون الله الوهاب.

سوال کی دونوں شکلیں شرعاً سود ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی شکل میں پیشگی رقم کم اور کرایہ زیادہ تھا، یعنی پیشگی رقم پچاس ہزار روپے اور کرایہ ماہ وار سات ہزار روپے تھا اور دوسری شکل میں پیشگی رقم چھ لاکھ اور کرایہ صرف پانچ سو روپے ہے۔ لہٰذا دونوں شکلیں سود کی ہیں۔ جیسا کہ شرح السنۃ میں حدیث ہے:

((كل قرض جر منفعة فهو ربا .))

''ہر وہ قرض جو منفعت کا باعث اور ذریعہ ہو، سود ہے۔''

اور سود بالاتفاق حرام ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس کا ایک راوی سوار بن مصعب متروک ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے موقوف روایات بھی مروی ہیں۔ ان تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر اس قرض سے روکا ہے اور اسے مکروہ جانا ہے جو منفعت کا ذریعہ بنتا ہو۔

اختصار کے پیش نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات ملاحظہ فرمائیے:

①......''عن سالم بن ابی الجعد قال كان لنا جار سماك عليه لرجل خمسون درهما فكان يهدى اليه السمك فاتى ابن عباس فسأله عن ذلك ؟ فقال قاصه بما اهدى اليك . ''(اخرجه البيهقى : ٥/ ٣٥٠ وقال الألباني: صحيح . ارواء الغليل : ٥/ ٢٣٤)

''سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں ہمارا ایک پڑوسی ماہی گیر تھا۔ اس نے ایک آدمی کے پچاس درہم دینے تھے۔ وہ ماہی گیر اپنے قرض خواہ کو تحفے میں مچھلی بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن وہ قرض خواہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس تحفہ کی بازار کے مطابق قیمت معلوم کرو۔ تحفے میں وصول شدہ مال کی جتنی قیمت نکلے وہ اس تحفہ بھیجنے والے کے قرض سے اتنی رقم کاٹ کر باقی ماندہ وصول کرے۔''

②......''عن ابى صالح عن ابن عباس انه قال فى رجل كان له على رجل عشرون درهما فجعل يهدى اليه وجعل كلما اهدى اليه هدية باعها حتى بلغ قيمتها ثلاثة عشر درهما فقال ابن عباس: لا تأخذ منه الا سبعة دراهم . '' (قال الألباني: اسناده صحيح . ارواء الغليل : ٥/ ٣٣٤)

''جناب ابو صالح سے مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس کے دوسرے آدمی کے ذمہ بیس درہم قرض تھا۔ مقروض اپنے قرض خواہ کو تحفہ

بھیجتا رہا۔ جب وہ تحفہ بھیجتا تو قرض خواہ اس کو فروخت کر دیتا۔ حتیٰ کہ وہ تحفہ تیرہ درہم کو پہنچ گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرض خواہ کو فرمایا کہ اب صرف سات درہم وصول کر سکتے ہو۔ (زیادہ وصول کرنا سود ہے)''

ان آثار صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ قرض جو منفعت کا ذریعہ ہوگا وہ سود ہوگا۔ علمائے اُصول کا ایک اُصول ہے کہ نفع آور ہر قرض سود ہے۔ یعنی قرض پر حاصل ہونے والا نفع سود ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسؤلہ میں چھ لاکھ قرض پر ہر ماہ ساڑھے چھ ہزار سود لیا جا رہا ہے۔ جب کہ پچاس ہزار پیشگی رقم پر اس مکان کا کرایہ سات ہزار ماہانہ تھا۔ بہر حال پیشگی رقم کم ہو یا زیادہ اس پر نفع وصول کرنا کم ہو یا زیادہ، سب سود ہی ہے اور سود حرام ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى اعلم بالصواب.



تصحیح واعتذار

گزشتہ سے پیوستہ شمارے میں مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ کا مضمون بہ عنوان ''توسل بالاموات اور تبرک کے لیے سفر'' اشاعت پذیر ہوا تھا۔ مضمون میں چند غلطیاں باقی رہ گئی تھیں جن پر ہم معذرت خواہ ہے۔ ذیل میں درست جملے درج کیے جاتے ہیں، قارئین تصحیح فرمالیں، شکریہ۔

(۱) ''اختلافی مسائل پر لکھنا قابل قدر بات ہے''
(صفحہ:۱۰، کالم:۱، سطر:۸)

(۲) ''زهق الباطل'' (صفحہ:۱۰، کالم:۱، سطر:۹)

(۳) ''عبداللہ بن عبدالرحمان بن کعب بن مالک۔''
(صفحہ:۱۱، کالم:۱، سطر:۱۴)

(ادارہ)

تعلیم وتربیت

قسط نمبر ٢

نفسانی خواہشات سے نجات کے ذرائع

افادات: امام ابن القیم رحمہ اللہ ترجمہ وترتیب: عبدالہادی عبدالخالق مدنی

٢١۔ حیوانات کی مشابہت:

اللہ تعالیٰ نے خواہش پرستوں کو تشبیہ ان حیوانات سے دی ہے جو صورت ومعنیٰ دونوں لحاظ سے سب سے حقیر اور خسیس مانے جاتے ہیں۔ کبھی کتے سے تشبیہ دی تو فرمایا:

﴿ وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ﴾[الاعراف:١٧٦]

''لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی۔''

اور کبھی گدھے سے تشبیہ دی تو فرمایا:

﴿ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝﴾ [المدثر: ٥٠،٥١]

''گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے ہوں۔''

اور کبھی اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتیں بندروں اور سوروں کی شکلوں سے بدل دیں۔

٢٢۔ نااہلی ونالائقی:

خواہش کا پیروکار قیادت وسیادت اور امامت وپیشوائی کا اہل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور بات مانی جائے اسی ناتے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو امامت سے معزول فرمایا ہے اور اس کی بات ماننے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾[البقرة: ١٢٤]

''میں تمھیں لوگوں کا امام بنادوں گا، عرض کرنے لگے اور میری اولاد کو، فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔''

یعنی خواہش کے پیروکار سب کے سب ظالم ہیں، لہٰذا وہ اس وعدے کے مستحق نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾[الروم: ٢٩]

''بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش کے پیچھے چل رہے ہیں۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی اطاعت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾[الکهف: ٢٨]

''دیکھ اس کا کہنا نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

٢٣۔ بت پرستی:

اللہ تعالیٰ نے خواہش پرست کو بت پرست کے درجہ میں رکھا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾[الفرقان: ٤٣]

''کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بات دو مقامات پر ارشاد فرمائی ہے۔ (دوسرا مقام: سورۃ الجاثیہ، آیت: ٢٥)

امام حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے وہ منافق مراد ہے کہ جس

چیز کی بھی خواہش کرتا ہے، اسے کر بیٹھتا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ منافق اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے، اس کا نفس جس بات کی خواہش کرتا ہے، وہ اسے کرتا جاتا ہے۔

۲۴۔ جہنم کا احاطہ:

نفسانی خواہشات ہی جہنم کا احاطہ ہیں، اسی سے جہنم گھری ہوئی ہے لہٰذا جو نفسانی خواہشات کا شکار ہوگا جہنم سے دوچار ہوگا۔ جیسا کہ صحیحین میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''جنت کو ناپسندیدہ چیزوں سے اور جہنم کو نفسانی خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے۔''

ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے جنت کی تخلیق فرمائی، جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جنت کو اور اہل جنت کے لیے جو کچھ میں نے اس میں تیار کر رکھا ہے اس کو دیکھ کر آؤ۔ چنانچہ جب وہ جنت دیکھ کر واپس ہوئے تو کہا: تیری عزت کی قسم! تیرا جو بندہ اس کے بارے میں سنے گا وہ ضرور اس میں داخل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت کو ناگوار چیزوں سے گھیر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو دوبارہ جا کر دیکھنے کا حکم دیا جب کہ اسے ناپسندیدہ چیزوں سے گھیرا جا چکا تھا جبریل علیہ السلام نے واپس آ کر کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی نہ داخل ہو سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہنم اور اہل جہنم کے لیے میں نے جو کچھ تیار کر رکھا ہے اس کو جا کر دیکھو، جبرائیل علیہ السلام آئے اور دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر چڑھا جاتا ہے۔ لوٹ کر آئے اور باری تعالیٰ سے عرض کیا: تیری عزت کی قسم! اس کا حال جو سنے گا اس میں نہیں داخل ہوگا۔ پھر اللہ کے حکم سے اس کو نفسانی خواہشات سے گھیر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر جا کر دیکھو۔ اب دیکھا تو اسے شہوات سے گھیرا جا چکا تھا۔ لوٹ کر آئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے کوئی نجات نہ پا سکے گا۔''

(امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۲۵۔ اندیشہ کفر:

نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے والے کے بارے میں اسلام سے لاشعوری طور پر نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔''

اور صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''مجھے تمھارے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے وہ تمھارے پیٹ اور شرم گاہ کی بہکا دینے والی شہوتیں اور نفسانی خواہشات کی گمراہ کن باتیں ہیں۔''

۲۶۔ موجبِ ہلاکت:

نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنا موجب ہلاکت ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''تین چیزیں باعثِ نجات اور تین چیزیں باعث ہلاکت ہیں۔ نجات دینے والی پہلی چیز خلوت وجلوت میں اللہ کا تقویٰ ہے۔ دوسری چیز: خوشی اور ناراضی ہر حال میں حق گوئی۔ تیسری چیز: فقیری اور امیری ہر حال میں میانہ روی ہے۔ اور ہلاک کرنے والی پہلی چیز وہ نفسانی خواہش ہے جس کی اتباع کی جائے، دوسری چیز وہ بخل ہے جس کی بات مانی جائے اور تیسری چیز آدمی کی خود پسندی ہے۔''

۲۷۔ باعثِ فتح وظفر:

نفسانی خواہش کی مخالفت کرنے سے بندہ اپنے جسم اور دل وزبان میں قوت پاتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ اپنی خواہش پر غلبہ حاصل کرنے والا اس سے بھی زیادہ طاقت وَر ہے جو تنہا کسی ملک کو فتح کرتا ہے۔

صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔''

آدمی جب جب اپنی خواہش کی مخالفت کرتا ہے، گویا اپنی قوت میں برابر اضافہ کرتا جاتا ہے۔

۲۸۔ اخلاق ومروت:

اپنی خواہش کے خلاف چلنے والا سب سے زیادہ بامروت انسان ہوتا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خواہشات کو چھوڑ دینا اور ہوائے نفس کو نہ ماننا یہی مروت ہے۔ خواہشات کے پیچھے چلنا مروت کو بیمار کر دیتا ہے۔ اور اس کی مخالفت، مروت کو افاقہ عطا کرتی اور شفا دیتی ہے۔

۲۹۔ عقل اور خواہش کی جنگ:

ہر دن خواہش اور عقل باہم دست وگریبان ہوتی ہیں جو جیت جاتی ہے شکست خوردہ کو بھگا دیتی ہے اور خود حکومت وتصرف کرتی ہے۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آدمی جب صبح کرتا ہے اس کی عقل اور خواہش اکٹھا ہوتی ہیں۔ اگر اس کی عقل خواہش کے تابع ہوئی تو وہ ایک برا دن ہوتا ہے اور اگر خواہش عقل کے تابع ہوئی تو وہ ایک اچھا دن ہوتا ہے۔

۳۰۔ غلطی کا امکان:

اللہ تعالیٰ نے خطا اور اتباعِ ہویٰ کو ایک دوسرے کا ساتھی بنایا ہے۔ اسی طرح درستی اور خواہش کی مخالفت کو ایک دوسرے کا ساتھی بنایا ہے، جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے: جب تمھیں دو باتوں میں شبہ ہو جائے کہ زیادہ سخت کون ہے تو جو تمھاری خواہش کے قریب ہو اس کی مخالفت کرو کیوں کہ خواہش کے پیچھے چلنے ہی میں غلطی کا زیادہ امکان ہے۔

۳۱۔ بیماری اور علاج:

خواہش بیماری ہے اور اس کا علاج اس کی مخالفت ہے۔ کسی عارف کا قول ہے: اگر تم چاہو تو تم کو تمھارا مرض بتادوں اور اگر چاہو تو اس کی دوا بھی بتادوں؟ نفسانی خواہش تمھارا مرض ہے، اس کو چھوڑ دینا اور اس کی مخالفت کرنا اس کی دوا ہے۔

بشر حافی فرماتے ہیں: ساری بلائیں نفسانی خواہشات کی بنا پر ہیں اور سارا علاج اس کی مخالفت میں ہے۔

۳۲۔ جہاد:

خواہشات سے جہاد اگر جہادِ کفار سے بڑھ کر نہیں تو اس سے کم تر بھی نہیں ہے۔ ایک شخص نے حسن بصری سے کہا: اے ابوسعید! کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا: خواہشات نفسانی سے جہاد کرنا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفس اور خواہش سے جہاد، کفار ومنافقین سے جہاد کی بنیاد ہے کیوں کہ ان سے اس وقت تک کوئی جہاد نہیں کر سکتا جب تک کہ ان کی طرف نکلنے کے لیے اپنے نفس اور خواہش سے جہاد نہ کرے۔

۳۳۔ مرض میں اضافہ:

خواہش بیماری کو بڑھا دینے والی چیز ہے اور اس کی مخالفت پرہیز ہے۔ ایسا شخص جو مرض بڑھانے والی چیز کا استعمال کرے اور پرہیز سے دور رہے اس کے انجام کے بارے میں خطرہ یہی ہے کہ بیماری بالآخر اسے دبوچ لے گی۔

۳۴۔ محرومی وبے توفیقی:

خواہشات کی اتباع سے توفیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور محرومی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ اپنی زبان سے کہتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ توفیق دے تو ایسا اور ایسا کر گزریں مگر خواہشات کی اتباع کر کے اُنھوں نے اپنے لیے توفیق کے راستے مسدود کر لیے ہیں۔

فضیل بن عیاض کا قول ہے: جس شخص پر شہوت اور خواہش غالب آجاتی ہے توفیق اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔

کسی عالم کا قول ہے کہ کفر چار چیزوں میں ہے: غضب اور شہوت

میں، لالچ اور خوف میں ۔ پھر فرمایا کہ دو کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا: ایک شخص غصے میں آیا اور اس نے اپنی ماں کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص مبتلائے عشق ہو کر نصرانی ہو گیا۔

۳۵۔فساد عقل وخرد:

جو آدمی اپنی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے اس کی عقل فاسد اور رائے بگڑ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اپنی عقل کے معاملے میں اس نے اللہ کی خیانت کی تو اللہ نے اس کی عقل کو بگاڑ دیا۔ تمام اُمور میں اللہ کی سنت یہی ہے کہ جو کوئی اس میں خیانت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بگاڑ دیتا ہے۔

۳۶۔قبر وآخرت کی تنگی:

جو اپنی خواہشات کی تکمیل میں اپنے نفس پر کشادگی کرتا ہے تو اس پر قبر اور آخرت میں تنگی ہوگی۔ اس کے برخلاف جو نفس کی مخالفت کر کے اس پر تنگی کرتا ہے اس کی قبر اور آخرت میں اس پر فراخی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا﴾[الدھر:۱۲]

''اور انھیں ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے۔''

چونکہ صبر، جو خواہشات سے نفس کو روکنے کا نام ہے، میں کھردرا پن اور تنگی ہے اس لیے بدلے میں نرم وگداز ریشم اور جنت کی وسعت عطا فرمائی۔

ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: شہوتوں سے صبر کرنے پر یہ بدلہ عطا فرمایا۔

۳۷۔رکاوٹ:

نفسانی خواہشات قیامت کے دن نجات یافتہ بندوں کے ساتھ اُٹھ کر دوڑنے سے رکاوٹ بن جائیں گے، جس طرح دنیا میں ان کا ساتھ دینے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

محمد بن ابی الورد کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن ایسا بنایا ہے جس کی مصیبت سے خواہشات کے پیچھے چلنے والا نجات نہیں پا سکتا۔ قیامت کے دن جو شخص سب سے دیر سے اُٹھے گا وہ شہوتوں کا پٹا ہوا ہوگا۔ عقلیں جب طلب کے میدان میں دوڑتی ہیں تو سب سے زیادہ حصہ کی مستحق وہ ہوتی ہے جس کے پاس سب سے زیادہ صبر ہو۔ عقل معدن (کان) ہے اور فکر اس معدن سے خزانے نکالنے کا آلہ ہے۔

۳۸۔عزائم کی پستی:

خواہشات کی غلامی عزائم کی پستی اور کمزوری کا سبب ہے اور اس کی مخالفت عزائم کو مضبوطی اور طاقت عطا کرتی ہے۔ عزم وہ سواری ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ اور آخرت کی طرف سفر کرتا ہے، اگر سواری خراب ہو جائے تو مسافر کی منزل بہت دور ہو جاتی ہے۔

یحییٰ بن معاذ سے دریافت کیا گیا: عزم کے اعتبار سے صحیح ترین انسان کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنی خواہشات پر غالب آ جائے۔

۳۹۔بدترین سواری:

خواہش پرست کی مثال اس گھڑ سوار کی سی ہے جس کا گھوڑا نہایت تیز رفتار، بے قابو، سرکش اور بے لگام ہو، دوڑنے کے دوران اپنے سوار کو پٹخ دے یا کسی ہلاکت کے مقام پر پہنچا دے۔

ایک عارف کا کلام ہے: جنت کو پہنچانے والی سب سے تیز رفتار سواری دنیا سے بے رغبتی ہے اور جہنم تک پہنچانے والی سب سے تیز رفتار سواری خواہشات کی محبت ہے۔ خواہشات کا سوار ہلاکتوں کی وادی میں نہایت تیزی کے ساتھ پہنچ جائے گا۔

ایک دوسرے عارف کا کلام ہے کہ سب سے زیادہ صاحب شرف وہ عالم ہے جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے دنیا سے بھاگے اور خواہشات کے پیچھے چلنا اس کے لیے دشوار ہو۔

عطاء فرماتے ہیں: جس کی خواہش اس کی عقل پر اور بے قراری اس کے صبر پر غالب آ جائے وہ رسوا ہو جائے گا۔

(جاری ہے)

نقد و نظر قسط نمبر ② آخری

عورت کو حق طلاق تفویض کرنا، شریعت میں تبدیلی ہے!

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

خلع کے بارے میں ایک ضروری وضاحت:

مضمون کی پہلی قسط پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ اشکال آ سکتا ہے کہ علمائے احناف تو خلع کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس کا اثبات بھی، پھر ان کی بابت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ خلع کا انکار کرتے ہیں؟

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے کہ وہ ظاہری طور پر خلع کا اقرار کرتے ہیں لیکن وہ اس کو اس طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس طرح شریعت نے یہ حق عورت کو دیا ہے۔ اس لیے اُن کا ماننا اقرار کے پردے میں انکار کے مترادف ہے۔ اس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

خلع عورت کا وہ حق ہے جو اسے مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں دیا گیا ہے۔ مرد تو اپنا حق طلاق ایسے موقعوں پر استعمال کر لیتا ہے جب وہ اپنی بیوی سے ناخوش ہو۔ لیکن اگر عورت کو ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ وہ خاوند سے گلو خلاصی چاہتی ہو، مثلاً شوہر نامرد ہو، وہ حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان نفقہ دینے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو لیکن دیتا نہ ہو، یا کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جس کا علم عورت کو شادی کے بعد ہو، یا وہ سخت ظالم و جابر قسم کا ہو جو عورت پر بے جا ظلم و تشدد کرتا ہو، یا شکل و صورت کے اعتبار سے عورت کے لیے ناقابل برداشت ہو اور اس کے ساتھ اس کا نباہ مشکل ہو۔ اس قسم کی تمام صورتوں میں شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر کا دیا ہوا حق مہر اُس کو واپس کر کے اس سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر شوہر عورت کی خواہش اور مطالبے پر اُس کو طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، مسئلہ نہایت آسانی سے گھر کے اندر ہی حل ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مرد مذکورہ معقول وجوہات کے باوجود عورت کی خواہش اور مطالبے کو تسلیم نہ کرے تو پھر عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا، اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت کا مطالبۂ علیحدگی بالکل جائز ہے تو وہ مرد کو طلاق دینے کا حکم دے گی، اگر مرد پھر بھی طلاق نہ دے تو عدالت یا پنچایت فسخ نکاح کا حکم جاری کرے گی جو مرد کے طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا اور عورت عدتِ خلع (ایک حیض) گزارنے کے بعد کسی دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہوگی۔

یہ ہے خلع کا وہ طریقہ جو قرآن کریم کی آیت: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ [البقرۃ: ۲۲۹] اور حدیث میں مذکور واقعہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾ (پس اگر تم ڈرو......) میں خطاب خاندان کے اولیاء (ذمہ داران)، معاشرے کے معزز افراد یا حکومت کے افسرانِ مجاز (عدالتی حکام) سے ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والا نزاع اُن کی آپس کی بات چیت سے ختم نہ ہو سکے تو تم مداخلت کر کے اس کو حل کرو اور عورت سے فدیہ (حق مہر) لے کر مرد کو دو اور اس سے طلاق دلواؤ، اگر وہ طلاق نہ دے تو تم فسخ نکاح کا آرڈر جاری کر کے اُن کے درمیان علیحدگی کروا دو۔

حدیث سے بھی اسی بات کا اثبات ہوتا ہے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خوش شکل نہ تھے جب کہ اُن کی بیوی خوب رو تھی، اُنھوں نے بارگاہ رسالت میں آ کر نہایت مناسب الفاظ میں اس بات کو بیان کیا اور کہا کہ میں ثابت بن قیس کے دین و اخلاق کے بارے میں تو اُن کو معتوب نہیں کرتی لیکن ان کے ساتھ رہنے میں مجھے ناشکری کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر صورتِ حال کا اندازہ کر لیا اور اس سے پوچھا: کیا تو ثابت بن قیس کو وہ باغ واپس کرنے پر آمادہ ہے جو اس نے تجھے (حق مہر میں) دیا تھا؟ اس نے

کہا! ہاں ۔ آپ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا: اس سے اپنا باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو، چنانچہ اُنھوں نے طلاق دے دی ۔ (یہ واقعہ احادیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو طلاق کا حکم دینا ایک حاکم کے طور پر تھا اور ظاہر بات ہے کہ خاندانی معاملات ونزاعات میں عدالت یا پنچایئت کی مداخلت ناگزیر ہے، اگر عدالت کو یہ حق نہیں دیا جائے گا یا اُس کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جائے گا تو پھر ان نزاعات کا حل آخر کس طرح نکالا جائے گا؟

ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ علمائے احناف عورت کے حق خلع کو تسلیم نہیں کرتے تو اس کے بارے میں ان کا یہ غیر منطقی موقف ہی اس کی بنیاد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خاوند اگر عورت کے مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہیں کرتا تو عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یک طرفہ طلاق کی ڈگری جاری کر دے، جیسا کہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے بعد ہماری عدالتیں اس طرح کے فیصلے کر رہی ہیں ۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ عدالتوں کے یہ فیصلے غلط ہیں اور اس طرح عورت کو طلاق نہیں ہوتی ۔

حالانکہ عدالت کا یہ حق قرآنِ کریم کی آیت اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے واقعے سے واضح ہے جس کی مختصر تفصیل ابھی گزری اور اس کے بغیر گھریلو نزاعات کا کوئی دوسرا حل ہے ہی نہیں ۔ اگر آپ اس منطقی اور فطری طریق کو نہیں مانتے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آپ شریعت کے عطا کردہ عورت کے حق خلع کو تسلیم ہی نہیں کرتے ۔

آپ ذرا تصور کیجیے، ایک عورت خاوند کے رویے سے سخت نالاں ہے اور وہ اس سے ہر صورت خلاصی چاہتی ہے، وہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، خاوند نے اُس کو جو کچھ (حق مہر وغیرہ) دیا ہے، وہ اُس کو واپس کرنے کی پیش کش کرتی ہے ۔ لیکن وہ کسی صورت طلاق دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا ۔ اب بتلایئے کہ اگر طلاق خاوند کی رضا مندی کے بغیر نہیں ہوسکتی جیسا کہ علمائے احناف کہتے ہیں، تو عورت کو اس کا حق خلع کون دلائے گا؟ آپ کہتے ہیں عدالت مداخلت نہیں کرسکتی اور خاوند کی رضامندی کے بغیر علیحدگی ممکن ہی نہیں ہے تو اس صورت کا حل کیا ہے؟ اور کیا یہ حق خلع کو تسلیم کرنا ہے......؟

یہ تو اللہ کے عطا کردہ حق خلع کا صاف انکار ہے ۔ خاوند کی ہٹ دھرمی ہی کا تو علاج عورت کے حق خلع کی صورت میں بتلایا گیا ہے جو صرف عدالت ہی عورت کو دلواسکتی ہے ۔ عدالت کو اگر یہ حق نہیں ہے اور خاوند کسی صورت طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو عورت کو اُس کا یہ حق کس طرح ملے گا جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے؟

حقِ خلع کے بارے میں علمائے احناف کی تصریحات:

اگر کوئی کہے کہ علمائے احناف کا یہ موقف نہیں ہوسکتا جو اُن کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے تو لیجیے انھی کے الفاظ میں ان کا موقف پڑھ لیجیے:

① ......مولانا تقی عثمانی پہلے عنوان قائم کرتے ہیں: ''کیا خلع عورت کا حق ہے؟''

مولانا موصوف نے اس بحث کا یہ عنوان مقرر کیا ہے ۔ اس سوالیہ عنوان ہی سے اس امر کی نشان دہی ہو جاتی ہے کہ اُن کے نزدیک عورت کو حق خلع حاصل ہی نہیں ہے ۔ پھر فرماتے ہیں:

> ''ہمارے زمانے میں خلع کے بارے میں ایک مسئلہ عصر حاضر کے متجددین نے پیدا کر دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علمائے اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں تراضیِ طرفین ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو مجبور نہیں کرسکتا ۔ لیکن ان متجددین نے یہ دعویٰ کیا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کرسکتی ہے، یہاں تک کہ پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے عدالتِ عالیہ یعنی سپریم کورٹ نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا اور اب تمام عدالتوں میں اسی فیصلے پر بہ طورِ قانون عمل ہو رہا ہے حالانکہ یہ فیصلہ قرآن وسنت

کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے خلاف ہے۔''

(درسِ ترمذی:۳/۴۹۷)

تبصرہ:

اپنی رائے کو، جو تقلیدی جمود پر مبنی ہے، قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلے کے مطابق قرار دینا یکسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے حالانکہ قرآن وسنت کے مطابق خلع کی اصل صورت وہ ہے جس کی مختصر تفصیل ہم نے پیش کی ہے۔ خلع کی اس صورت کو متجد دین کی رائے بتلانا اور قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ کی بے جا تاویل کر کے ان سے اپنے تقلیدی موقف کا اثبات ایک تحکمانہ انداز اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ حق خلع کا صریح انکار ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہ .

مضمون طویل ہو گیا ہے، ورنہ ہم ان کی ان تاویلاتِ باطلہ کی حقیقت بھی واضح کرتے جو اُنھوں نے ''درس ترمذی'' میں بیان کر کے تقلیدی جمود کا ثبوت دیا ہے۔ ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ ان پر بھی گفتگو ہوگی۔ بعون اللّٰہ و توفیقہ .

ایک اور حنفی مفسر کا حق خلع کا انکار:

۲......تفسیر ''روح البیان'' کے حنفی مفسر ''آیتِ خلع'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خلع میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے، اس میں عدالت یا تیسرا کوئی شخص مشورہ تو دے سکتا ہے، جبر نہیں کر سکتا، نہ عدالت کے پاس ازخود یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت کے حق میں یک طرفہ خلع کا فیصلہ کر دے۔ اگر عدالت ایسا کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ناقابل عمل ہوگا اور اللہ کے نزدیک ناقابل قبول رہے گا۔ جس طرح نکاح کی قبولیت کا صرف شوہر کو یا اس کے بارے میں مقرر کردہ وکیل ہی کو حق حاصل ہے اسی طرح خلع کی پیش کش کو قبول کر کے طلاق دینے کا حق بھی شوہر ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا جس طرح بیوی رقم کے بدلے طلاق حاصل کرنے پر راضی ہے اسی طرح شوہر کا بھی رقم قبول کر کے طلاق دینے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔''

تبصرہ:

ان صاحب نے بھی حنفی طریق خلع کو قرآن وحدیث کا بیان کردہ خلع قرار دینے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حنفی طریق خلع دراصل حق خلع کا انکار ہے کیوں کہ ان کے نزدیک اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر خاوند عورت کے مطالبہ طلاق کو تسلیم نہ کرے تو عورت خلع حاصل کر ہی نہیں سکتی۔ خاوند کی ہٹ دھرمی کا حل قرآن وحدیث میں عدالت کو قرار دیا گیا لیکن حنفی فقہ کہتی ہے کہ عدالت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں۔ عدالت اگر مداخلت کر کے عورت کو یہ حق دلائے گی تو عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خاوند کی ہٹ دھرمی کی صورت میں عدالت سے خلع حاصل کرنے کے بعد عدت گزار کر کسی اور جگہ نکاح کرے گی تو احناف کے نزدیک یہ نکاح عنداللہ ناقابل قبول ہوگا، جب ایسا ہے تو پھر وہ نئے میاں بیوی تو ساری عمر زناکاری ہی کے مرتکب رہیں گے! ان کی یہ دیدہ دلیری اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے انحراف انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر روح البیان کے مولف لکھتے ہیں:

''مسئلہ: عدالت کی طرف سے شوہر کی رضامندی کے بغیر جو یک طرفہ خلع کی ڈگری جاری کر دی جاتی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں۔ اس صورت میں اس عورت کا کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام اور بدکاری ہوگا۔'' (تفسیر روح البیان:۱/۵۹۰)

بتلایئے ......! یہ حق خلع کا اثبات ہے جو اللہ و رسول ﷺ نے عورت کو دیا ہے یا اس کا صاف انکار ہے۔ خاوند کی رضامندی کے بغیر اگر عورت اپنا یہ حق وصول نہیں کر سکتی تو پھر خاوند کی ہٹ دھرمی کی

صورت میں آخر وہ اپنا یہ حق کیسے وصول کرے گی؟ علمائے احناف اس کی بھی تو وضاحت فرمائیں۔

پھر اس حنفی طریق خلع پر اجماع کا دعویٰ اور چند سطروں کے بعد ہی اسے جمہور فقہاء کا فیصلہ قرار دینا عجیب تضادِ فکر ہے۔ اوّل تو اس کو جمہور فقہاء کا متفقہ فیصلہ بتلانا ہی غلط ہے۔ اگر جمہور کی رائے تسلیم کر بھی لی جائے تو اجماع تو پھر بھی نہ ہوا کیوں کہ اکثریت کی رائے کو اجماع تو نہیں کہا جاتا۔

دراصل اپنی بات کو موکد کرنے کے لیے یوں ہی اس کو ''جمہور کی رائے'' کہہ دیا جاتا ہے یا اس پر ''اجماع'' کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لیے امام احمد فرمایا کرتے تھے:

"من ادعى الإجماع فهو كاذب."

(الاعتصام للشاطبی : ۱/ ۲۷٤)

''جو کسی مسئلے کی بابت اجماع کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔''

زیر بحث مسئلہ بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔ حنفی طریق خلع نہ جمہور کا متفقہ فیصلہ ہے اور نہ اس پر اجماع ہے۔ بھلا جو مسئلہ (حنفی طریق خلع) قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے، اسے جمہور کس طرح اختیار کر سکتے ہیں؟ یا اس پر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے؟

صاحب ''روح البیان'' مزید فرماتے ہیں:

''اسلام کی یہ کیسی معتدل تعلیم ہے کہ حتی الوسع نہ کسی کی حق تلفی ہو نہ دل شکنی ہو۔ جیسے باہمی رضا مندی سے عقد نکاح کیا گیا تھا، ایسے ہی باہمی رضا مندی سے اسے ختم کر دیا جائے۔ یعنی اگر میاں بیوی کو خطرہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق پورے نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں خلع کی اجازت ہے۔''

(روح البیان: ۱/ ۵۸۸۔، ناشر: جامعہ بنوریہ عالمیہ، کراچی)

سبحان اللہ! کیا خوب فلسفہ تراشا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں تو بلاشبہ نہایت اعتدال اور توازن ہے کہ اس نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے، جس کے ذریعے سے وہ ناپسندیدہ بیوی سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسے ہی حالات عورت کو پیش آ جائیں اور وہ ناپسندیدہ شوہر سے نجات حاصل کرنا چاہے تو وہ حق خلع کے ذریعے سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تو یقیناً اعتدال اور توازن کی بات ہے جس میں اسلام دیگر ادیان و مذاہب میں ممتاز ہے۔

لیکن جب آپ مرد کو تو مطلقاً یہ حق دے رہے ہیں کہ وہ جب چاہے عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ کیا طلاق دیتے وقت مرد عورت کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند ہے؟ اور اگر عورت رضامند نہ ہو تو مرد طلاق نہیں دے سکتا۔ کیا واقعی آپ کے نزدیک ایسا ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر یہ کہنا ''جیسے باہمی رضا مندی سے عقدِ نکاح کیا گیا تھا ایسے ہی باہمی رضا مندی سے اسے ختم کر دیا جائے'' کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

اور اگر اس عبارت کا تعلق صرف عورت کے حق خلع سے ہے کہ اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے تو پھر اعتدال تو نہ رہا۔ عورت کے حق طلاق کو تو خاوند کی رضامندی کے ساتھ مقید کر دیا، وہ رضامند نہ ہو تو عورت کے لیے گلوخلاصی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کو کون اعتدال کی تعلیم تسلیم کرے گا جس کو آپ اعتدال باور کرا رہے ہیں۔

اعتدال تو اسلام کے بتلائے ہوئے طریقِ خلع ہی میں ہے کہ دونوں ہی (مرد اور عورت) کے لیے یہ راستہ کھلا ہوا ہے کہ مرد علیحدگی چاہتا ہے تو اس کے پاس طلاق کا حق ہے، عورت علیحدگی چاہتی ہے تو اس کے پاس خلع کا حق ہے، خاوند اگر اس کا یہ حق تسلیم نہ کرے تو عدالت عورت کو اس کا یہ حق دلوائے گی۔

لیکن اگر آپ مرد کے حقِ طلاق کے لیے تو رضامندی ضروری قرار نہیں دیتے لیکن عورت کے خلع کے لیے اس کو ضروری قرار دیتے ہیں تو آپ نے اپنے فقہی جمود کا ثبوت تو یقیناً دے دیا، لیکن خدارا اِس کو اسلام کی تعلیم تو قرار نہ دیں۔ اسلام تو اس عدم اعتدال اور ایک فریق پر ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ظلم کو اپنی فقہ کی طرف منسوب

کریں، اسلام طرف منسوب نہ کریں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی پُراَسرار خاموشی:

③...... یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ مولانا تقی عثمانی کے والد گرامی قدر جناب مفتی محمد شفیع صاحب نے قرآن مجید کی اُردو میں نہایت مفصل تفسیر تحریر فرمائی ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے، تفسیر ''معارف القرآن'' اس کا نام ہے۔

اس میں ہر اہم مسئلے پر مفتی صاحب موصوف نے خاصی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ آیت خلع میں خلع کے بارے میں سرے سے اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ کوئی بحث نہیں کی بلکہ نہایت پُراَسرار طریقے سے بالکل خاموشی سے گزر گئے ہیں۔ یہ خاموشی کس بات کی غماز ہے، بہ قول غالبؔ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

اصل حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، البتہ کچھ نہ کچھ اندازہ قرائن وشواہد سے بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ شاید یہی ہو سکتی ہے کہ خلع کی اصل حقیقت جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے، وہ حنفی موقف سے متصادم ہے جس کی وضاحت ہم کر آئے ہیں۔ اس کی صراحت ان کے حلقۂ ارادت کے لیے ناقابل قبول ہوتی اور حنفی موقف کے بیان سے ان کے تقلیدی جمود کا اظہار ہوتا، اس لیے اُنھوں نے خاموشی ہی کو بہتر خیال فرمایا، واللہ اعلم۔ غفر اللہ لنا ولہ

اور جب تقلید کے بندھن ڈھیلے ہو جائیں......

تقلیدی جمود کی نیرنگیاں آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیں اور وہ یہ کہ جب تقلیدی جمود کی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات اصل صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ جب یہ بندھن ڈھیلے ہوتے ہیں اور تقلیدی عینک اُتر جاتی ہے تو پھر اعترافِ حقیقت کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

خلع اور تفویض طلاق کا مضمون مکمل کر لینے کے بعد حسن اتفاق سے اس کی دو مثالیں سامنے آئیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ قارئین کرام کو بھی اُن سے آگاہ کر دیا جائے تا کہ ہماری مذکورہ گزارشات بھی حق الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیں۔

اُن میں ایک مثال ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج (استاذ الفقہ والتفسیر جامعہ کراچی) کی ہے جو غالباً حنفی بریلوی ہیں اور دوسری مثال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند، صدر مدرّس دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد دکن) کی ہے جو حنفی دیوبندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو مسئلہ زیر بحث میں تقلیدی جمود سے نکل کر براہِ راست قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دینا حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور عورت کے حق خلع کا انکار قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات سے انحراف ہے۔

لیجیے! دونوں افاضل کے مضامین کی تلخیص ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کے مضمون کا ضروری حصہ جو ''معارف'' اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان بھی صاحب مضمون ہی کا تجویز کردہ ہے۔ اس کی تلخیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس میں وہ دلائل بھی تھے جو ہمارے مضمون میں بیان ہو چکے ہیں، اس لیے تکرار سے بچنے کے لیے ان کو حذف کرنا ضروری تھا، اسی طرح بعض مفسرین کے اقتباسات بھی حذف کر دیے گئے ہیں۔ تاہم ان کے اصل دلائل اور اُن کا موقف اگلے صفحات میں انھی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مضمون:

تفویضِ طلاق......ایک اہم عائلی مسئلہ

از: ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج (استاذ الفقہ والتفسیر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی)

میاں بیوی کے مابین قائم ہونے والے رشتہ کو نکاح کہا جاتا ہے اور اس رشتے کے ٹوٹ جانے کو طلاق، نکاح میں دوطرفہ رضامندی ضروری ہوتی ہے مگر طلاق میں دوطرفہ رضامندی ضروری نہیں ہوتی، گو بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلاق بھی دوطرفہ رضامندی سے ہی وجود پذیر ہوتی ہے، فقہی اصطلاح میں ایسی طلاق کو ''طلاقِ

مبارات'' کہتے ہیں۔(مجموعہ قوانین اسلام:۲/ ۶۰۲،از جسٹس تنزیل الرحمان،ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد)

شوہر کی طرف سے دی جانے والی طلاق (جو کہ یک طرفہ ہوتی ہے) کو فقط طلاق کہہ دیتے ہیں، بیوی اگر اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور اس کے مطالبہ پر شوہر اگر اسے چھوڑ دے تو ایسی طلاق کو ''خلع'' کہتے ہیں۔اگر خلع کا مطالبہ، عدالت میں دائر کیا جائے جس کے نتیجے میں علیحدگی واقع ہو تو ایسی علیحدگی کو ''فسخ نکاح'' کہتے ہیں، مذکورہ صورتوں میں کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ جس میں عورت حق طلاق میں خود مختار نظر آتی ہو۔عورت کا عدالت میں جا کر طلاق کا مطالبہ کرنا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت نے اسے طلاق دینے یا اسے اپنے اوپر وارد کرنے کے حق سے محروم رکھا ہے۔طلاق سے یا تو اُس کا شوہر دے یا پھر ناگزیر حالات میں حاکم عدالت اپنے شرعی اختیار سے تفریق کرا دے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عدالت وہ واحد مقام ہے کہ جہاں عورت کو ''حق طلاق'' استعمال کرنے کی اجازت دی جا سکتی تھی اور اس مقام پر اس کے برسر عدالت اقدامِ خلع کو طلاق کا بدل قرار دیا جا سکتا تھا مگر شریعت نے انصاف کی جگہ پر (اسلامی عدالت میں) بھی طلاق کا حق بہر حال عورت کو نہیں دیا کیوں کہ آیت ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ [البقرۃ:۲۲۸] (اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے) میں مرد کو ایک گونہ فضیلت برائے ضرورت اسی حق طلاق میں دی گئی ہے، خدا کی طرف سے بخشی گئی یہ ''فضیلت'' مردوں کو نہیں، شوہروں کو حاصل ہے اور شوہر چونکہ ایک رشتے کا نام ہے اور رشتے کی فضیلت یہی ہے کہ وہ اس حق کو استعمال کرنے کا مجاز بنایا جائے۔ہمارے خیال میں اگر کوئی شوہر اپنا یہ حق، اپنی زوجہ کو تفویض کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ کی شریعت میں تبدیلی کا جرم کرتا ہے۔شریعت نے اسے یہ حق ہرگز نہیں دیا کہ وہ اپنا یہ حق زوجہ کو تفویض کر دے اور زوجہ جب چاہے یہ حق استعمال کر کے اپنے خاوند سے الگ ہو جائے، اگر یہ عمل شریعت کی رُو سے درست ہوتا تو شریعت طلاق کے عمل ہی کو دو طرفہ کر دیتی، پھر ایسا کرنے کی صورت میں خلع اور فسخ نکاح کی بھی حاجت نہ رہتی اور طلاق بہت آسان ہو جاتی۔

لیکن افسوس کہ ہماری کتب فقہ میں تفویض طلاق کے عنوان سے یہ حق، بیویوں کے حق میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔تفویض کے بعد طلاق کا حق صرف شوہر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ بیوی کے ہاتھ میں بھی رہتا ہے۔اُن دونوں میں سے جو چاہے وہ اسے بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی طلاق کا ذکر آیا ہے، اس کی نسبت ہمیشہ مرد کی طرف کی گئی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو حاصل ہے مگر ہمارے بعض دانش وَروں کو یہ امر خداوندی پسند نہ آیا یا یوں کہیے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا، اس لیے وہ اس امر کے مخالف ہو گئے اور اسے عورتوں پر ظلم سے تعبیر کرنے لگے۔ ❶

ہم سمجھتے ہیں کہ مرد کے حق طلاق پر معترض ہونے یا اس حق کو عورتوں میں منتقل کرنے ❷ کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں شاید کوئی غلطی ہو گئی ہے جسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

نکاح کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے کے زوج قرار پاتے ہیں، اس زوجیت کے رشتے میں مرد ناکح ہوتا ہے اور عورت منکوحہ، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ عورت ناکح ہو اور مرد منکوحہ، اسی لیے تو ﴿ بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ [البقرۃ:۲۳۷] میں گرہ نکاح کا جس کے ہاتھ

❶ فاضل مقالہ نگار کا اشارہ غلام احمد پرویز جیسے منکرین حدیث کی طرف ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے کو عورت پر ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔(مطالب الفرقان:۳/ ۳۹۲-۳۹۴،طبع طلوعِ اسلام، لاہور۔۱۹۹۳ء) (ص۔ی)

❷ جیسا کہ علمائے احناف اس کے قائل ہیں۔(ص۔ی)

میں ہونا بیان ہوا ہے، وہ مرد ہے نہ کہ عورت۔ اس لیے کہ ﴿ بِيَدِهٖ ﴾ میں ''ہ''، ضمیر مذکر کی ہے، اگر ضمیر مؤنث کی ہوتی تو گرہِ نکاح کو عورت کے ہاتھ میں سمجھا جاتا، اس طرح عورت ناکح بھی ہوتی اور اس گرہ کو کھولنے کی مجاز بھی مگر شریعت نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام نہیں چاہتا کہ گرہِ نکاح عورت کے ہاتھ میں ہو جب کہ تفویض طلاق میں گرہ نکاح عورت کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور وہ حق طلاق کو خود اپنے ہی خلاف استعمال کر کے اپنے شوہر سے الگ ہو جاتی ہے گویا خود ہی طالقہ ہوتی ہے اور خود ہی مطلقہ بھی، یعنی فاعلہ بھی خود اور مفعولہ بھی خود، یہ بات بالکل ایسے ہے کہ کوئی شخص خود اپنے آپ سے نکاح کر لے، گویا خود ہی ناکح ہو اور خود ہی منکوحہ۔ ذرا سوچیے کہ تفویض طلاق کی صورت حال کس قدر مضحکہ خیز ہے، کوئی ہے جو اس پر غور کرے......!

مرد کے متعلق ''عقدہ نکاح'' کی نسبت ایک آیت پیشتر میں بھی مذکور ہے، اپنے موقف کی تائید میں اسے بھی پیش کیے دیتا ہوں۔ ارشادِ پاک ہے:

﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾

[البقرۃ: ۲۳۵]

''اور معاہدہ نکاح کو پختہ نہ کرو جب تک بیوہ عورتوں کی عدت مکمل نہ ہو لے۔''

تفویض طلاق کی بابت کچھ حقائق منتخب مفسرین کے حوالے سے بھی ملاحظہ ہوں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رقم طراز ہیں:

''عورتوں کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانے کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، پھر دن بھر میں پانچ پانچ طلاقیں ہوں گی، دیکھ لو آج امریکا اور انگلینڈ میں طلاقوں کی کیسی بھرمار ہے کہ وہ لوگ چیخ پڑے ہیں۔'' (اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی: ۶۲/۴۔ مکتبہ اسلامیہ، مفتی احمد یار خاں روڈ، گجرات)

مزید فرماتے ہیں:

''طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے، نہ کہ عورت کو۔''

(تفسیر نعیمی: ۵۶۸/۲، زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۲۳۷)

[اس عبارت میں ''صرف'' کا لفظ قابل توجہ ہے!]

اسلام کا قانون خلع:

تفویض طلاق کو سمجھنے کے لیے خلع کے قانون کا سمجھنا بہت ضروری ہے، ہمارے نزدیک خلع کا قانون اپنی فطرت اور اصل میں تفویض طلاق کے قانون کا نقیض ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

''خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے، چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔''

(بدایۃ المجتہد: ۶۸/۲، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ)

سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۲۹) میں جس صورتِ طلاق کا ذکر ہے، اسے اصطلاحِ شریعت میں خلع کہتے ہیں، طلاق اور خلع میں فرق یہ ہے کہ جب طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہوا ہو اور مرد اس مطالبے کو پورا کر دے تو اسے خلع کہتے ہیں اور جب مرد محض اپنی خواہش سے عورت کو اپنے سے جدا کرنا چاہے تو اسے طلاق کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت کی تفہیم میں جمیلہ بنت عبداللہ اور ثابت بن قیس کا واقعہ ہماری راہ نمائی کرتا ہے جو صحیح احادیث میں آیا ہے، اس واقعہ میں مذکورہ عورت کی خواہش پر مذکورہ مرد نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر طلاق دی، خلع کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

اس آیت میں ایک چیز قابل توجہ ہے، آیت کے ابتدائی حصے میں ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا﴾ آیا ہے، اس میں مخاطب کی ضمیر آتی ہے اور مراد شوہر ہیں جب کہ ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ﴾ میں بھی یہی ضمیر آئی ہے مگر اس سے شوہر مراد نہیں ہیں بلکہ حکام عدالت یا بہ حیثیتِ مجموعی مسلمان مراد ہیں۔ نحوی حضرات اپنی اصطلاح میں اسے ''انتشار

ضمائر'' کہتے ہیں اور اسے جائز ورَوار کھتے ہیں، قرآن میں اس طرح کی اور مثالیں بھی موجود ہیں۔

آیت کو بحثیت مجموعی دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں خلع کی دو قسمیں مذکور ہوئی ہیں، قسم اوّل میں اس خلع کا بیان ہے جو گھر کے اندر رہتے ہوئے خوش اسلوبی سے طے ہو جائے اور قسم ثانی میں اس خلع کا جس کے لیے عورت کو قاضی کی عدالت میں جانا پڑے، بہر دو صورت خلع مطالبہ طلاق کا نام ہے، خواہ وہ شوہر دے یا حاکم، عدالت میں ان میں تفریق کرائے، اسی بات کو مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی تفسیر احسن البیان میں یوں لکھا ہے:

''خلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔''

(تفسیر زیر آیت: ۲۲۹)

پیر محمد کرم شاہ ازہری نے لکھا ہے:

''عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے اُن کی مصالحت کی کوشش کرے گا، اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا، حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے اور اس کے درمیان تفریق کرا دے یہ خلع ہے۔'' (ضیاء القرآن: ۱/ ۱۵۸۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور۔ طبع اول ۱۴۰۰ھ)

خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ طلاق یعنی زوجین کے مابین جدائی کی جو قسمیں قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہیں، ان میں ایک تو طلاق ہے، دوسری خلع اور تیسری فسخ نکاح ہے۔ یہ تینوں قسمیں اپنے حوالوں کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکی ہیں اور تینوں کی موجودگی میں تفویض طلاق کا قانون ہماری نظر میں خدائی شریعت میں کسی نقص اور کمی کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ (ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، دارالمصنفین، بھارت، جنوری ۲۰۰۷ء، ص: ۲۳-۳۴ ملخصاً)

دوسرا مضمون:

اب دوسرا مضمون ملاحظہ فرمائیں، اس میں فاضل مضمون نگار نے حنفی ہونے کے باوجود حق خلع کے انکار کے لیے احناف جو دلائل پیش کرتے ہیں ان کا جواب بھی دیا ہے اور اُنھیں نصوصِ قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس کا عنوان بھی فاضل مضمون نگار ہی کا تجویز کردہ ہے۔ یہ مضمون اُن کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' سے ماخوذ ہے، ملاحظہ فرمائیے:

خلع میں قاضی اور حَکَم کے اختیارات

خلع کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس میں قاضی اور عدالت کے اختیارات کیا ہوں گے؟ کیا یہ مکمل طور پر مرد ہی کے اختیار میں ہے اور اس کی آمادگی اور رضا مندی ہی پر طلاق موقوف ہے یا اس میں قاضی کو دخیل ہونے کا بھی کچھ حق ہے؟

فقہاء کی آراء:

اس سلسلے میں فقہا کی آراء مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں یہ اختیار مکمل طور پر مرد ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قاضی خود یا قاضی کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حکم بہ طورِ خود عورت کو طلاق نہیں دے سکتے۔ اس کے برخلاف امام مالک کے نزدیک قاضی زوجین کے حد سے گزرے ہوئے باہمی اختلاف کی صورت میں ایک دو رکنی مصالحتی کمیٹی قائم کرے گا جس میں بہتر یہ ہے کہ ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور دوسرا عورت کا، دونوں سمجھ دار اور شرعی احکام سے واقف ہوں، پھر وہ ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر مصالحت اور اتفاق کی کوئی صورت نکل آئے تو دونوں میں مصالحت کرا دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے اور دونوں کی رائے ہو کہ باہم تفریق اور علیحدگی کرا دی جائے تو وہ یہ بھی کر سکتے ہیں، اس طرح کہ مرد کا رشتہ دار حَکَم طلاق دے دے اور عورت کا رشتہ دار حَکَم مہر معاف کرنے کا یا جو معاوضہ مناسب سمجھے عورت کو اس کی ادائیگی کا پابند کرے اور دونوں میں تفریق ہو جائے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۱۹۲، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۵/ ۱۷۷)

احناف کے دلائل:

احناف دراصل اس مسئلے میں اس عام اُصول پر چلے ہیں کہ

طلاق کا اختیار مردوں کے ہاتھ میں ہے اور خلع بھی مال کے عوض میں طلاق ہی ہے، اس لیے مرد کی آمادگی بہرطور ضروری ہوگی۔ اس بنا پر ان کے یہاں حَکَمین کی حیثیت زوجین کے وکیل کی ہوتی ہے اور وہ اِنھی حدود میں رہ کر اقدام کر سکتے ہیں جو زوجین نے متعین کر دی ہیں۔

ثانیاً اُن کا استدلال اس واقعہ سے بھی ہے جسے ابو بکر جصاص رازی نے اپنی ''احکام القرآن'' میں اور دوسرے مختلف مصنفین نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی مقدمے میں حَکَم متعین کیے۔ پھر ان حَکَمین سے مخاطب ہو کر ان کی ذمہ داری بتائی کہ اگر ان دونوں کو جمع کر سکو تو جمع کر دو اور ان کا ازدواجی رشتہ برقرار رکھو اور اگر تفریق وعلیحدگی مناسب محسوس ہو تو ایک دوسرے کو علیحدہ کر دو۔ عورت تو اس پر آمادہ ہوگئی مگر مرد نے علیحدگی پر اپنی عدمِ آمادگی کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرد پر دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تم اس عورت کی طرح فیصلہ کی ہر دو صورت پر آمادگی کا اظہار نہ کرو، یہاں سے ہٹ نہیں سکتے۔

(احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۳۹)

تو اس سے استدلال یوں ہے کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرد کو تفریق کے لیے آمادہ ہونے پر مجبور کرنا بالکل بے معنی ہوگا، اگر حَکَم کو بہ طور خود طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو اور وہ مرد کی رضا مندی حاصل کرنے کا مکلّف نہ ہو۔

امام مالک کے دلائل:

امام مالک اور جو فقہاء قاضی کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حَکَمین کو تفریق اور علیحدگی کا مجاز گردانتے ہیں، ان کی دلیل سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود قرآن مجید کی طرف رجوع کریں۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ○﴾ [النساء: ۳۵]

''اگر تم کو ان دونوں کے درمیان شدید اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک ایک حَکَم مرد وعورت کے خاندان سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاحِ حال چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، اللہ تمام باتوں سے باخبر اور واقف ہے۔''

اس آیت میں متعدد قرائن ایسے ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ کے موقف کی تائید کرتے ہیں:

۱: اوّل یہ کہ اس آیت کے مخاطب قضاۃ اور حُکام ہیں۔ سعید بن جبیر، ضحاک اکثر مفسرین اور خود ابو بکر جصاص رازی کی یہی رائے ہے اور قرآن کے لب ولہجہ سے بھی اسی کی تاکید ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی اور حاکم کی حیثیت واعظ اور محض اخلاقی اپیل کرنے والے ناصح کی نہیں ہے بلکہ اس کا منصب یہ ہے کہ جو لوگ وعظ ونصیحت کی زبان سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں، اُن کے لیے قانون اور اختیارات کی تلوار استعمال کی جائے۔ لہٰذا اگر قاضی کے مقرر کردہ حَکَمین کو قانونی اختیار حاصل نہ ہو تو قرآن کا قاضی کو مخاطب بنانا اور قاضی ہی کی طرف سے حَکَمین کی تقرّری ایک بے معنی بات ہو جائے گی۔ اس لیے قضاۃ اور حکام سے خطاب بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس مسئلے میں قاضی کے نمائندہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ چاہے تو مصالحت کرا دے یا اپنی صوابدید پر علیحدگی کر دے۔

۲: قاضی کے بھیجے ہوئے ان نمائندوں کے لیے قرآن نے حَکَم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حَکَم کے معنی خود حَکَم اور فیصلہ کرنے والے کے ہیں۔ اب اگر اس کی حیثیت محض طرفین کے وکیل کی ہو اور وہ ان کے احکام کا پابند ہو تو وہ حَکَم اور فیصل کہاں باقی رہا۔ اس تعبیر کا تقاضا بھی ہے کہ وہ تفریق اور مصالحت کے معاملے میں خود مختار ہوں۔

۳: قرآن نے یہاں ﴿اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا﴾ کہا ہے، یعنی اگر حَکَمین ان دونوں میں مصالحت کرانا چاہیں۔ یہاں حَکَمین کی طرف

''ارادہ''اور''چاہنے'' کی نسبت کی گئی ہے اور ایسی بات اسی کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو کسی کام کے کرنے اور اس کے خلاف اقدام کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جو شخص کسی کا وکیل ہو وہ ارادہ و اختیار کا مالک نہیں ہوتا وہ تو بہر صورت خاص اسی حکم کا پابند ہوتا ہے۔

احادیث نبویہ:

اب آیئے ان احادیث کی طرف جو اس مسئلے میں قاضی کے مختار ہونے کو بتاتی ہے:

۴: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے دین و اخلاق سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن مجھے یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ مسلمان ہو کر کسی کی ناشکری کروں۔(یعنی ایک طرف ثابت رضی اللہ عنہ کا میرے ساتھ اچھا سلوک ہے، دوسری طرف میرا اُن کی طرف طبعی رجحان نہیں ہے جس کے باعث میری طرف سے ان کی ناقدری ہوتی ہے۔اس لیے ہم دونوں میں علیحدگی کرادی جائے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کو اس کا باغ لوٹا دوگی۔ اُنھوں نے کہا: جی ہاں۔اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا لہٰذا اُنھوں نے بیوی کو علیحدہ کر دیا۔

(صحیح بخاری، حدیث:۵۲۷۳، ۵۲۷۶، ۵۲۷۷)

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک اور روایت اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ تھا۔اس حدیث میں واقعہ کا یہ پہلو بہت قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے اپیل نہیں کی نہ مشورہ کیا بلکہ دوٹوک لفظوں میں طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قاضی، مرد کی رضا مندی اور آمادگی معلوم کرنے کا پابند نہ ہوگا بلکہ حسب ِ ضرورت اس کو اپنی صوابدید پر نافذ کرے گا۔اب اس کے نافذ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود مرد اس بات کے لیے تیار ہو جائے اور طلاق دے دے جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا، یا پھر قاضی خود علیحدہ کر دے۔

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

حدیث کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار اور معمول پر نظر ڈالیے:

۵: اس نوعیت کا ایک واقعہ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا۔ان کے زمانہ میں عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور فاطمہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا (جو میاں بیوی تھے) کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحیثیتِ حَکَم بھیجا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:''میں ضرور ان دونوں میں تفریق کروں گا۔'' اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں عبدمناف کے دو بزرگ خانوادوں میں تفریق نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ان دونوں نے باہم خود ہی مصالحت کر لی۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی:۵/۱۷۶)

یہاں بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بہ حیثیتِ حَکَم فرمانا کہ میں ان دونوں کے درمیان ضرور تفریق کروں گا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حَکَم بہ حیثیتِ حَکَم خود ہی تفریق کے معاملے میں مختار ہوتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں ہی حَکَم کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔

۶: اس سلسلے کا دوسرا واقعہ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا ہے جس کا مجمل ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔دارقطنی نے محمد بن سیرین کے واسطے سے صحیح سند سے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ ایک شوہر اور بیوی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے شوہر اور بیوی ہر ایک کے لوگوں میں سے ایک ایک حَکَم منتخب

کیا گیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن دونوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: کیا تم کو اپنی ذمہ داری معلوم ہے؟ تمھاری ذمہ داری یہ ہے کہ مناسب سمجھوتو دونوں میں علیحدگی کرادو۔عورت نے کہا: میں اللہ کی کتاب پر راضی ہوں چاہے اس کا فیصلہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف۔شوہر نے کہا کہ جہاں تک علیحدگی کی بات ہے تو میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، تم بھی جب تک اس عورت کی طرح اقرار نہ کرلو، یہاں سے جا نہیں سکتے۔

اس مقدمے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکمین سے کہنا کہ ''کیا تم اپنی ذمہ داری سے واقف ہو؟ تمھاری ذمہ داری یہ ہے کہ اگر تم چاہوتو علیحدگی کرادو۔'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۵/ ۱۷۷) اس بات کی علامت ہے کہ حکمین بہ حیثیتِ حکم تفریق کا اختیار رکھتے ہیں اور وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ان کی حیثیت محض وکیل کی ہوتی تو سوال اس طرح ہوتا کہ ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم کس بات کے وکیل بنائے گئے ہو؟''

پھر یہ کہ خلع میں اگر ایک طرفہ مرد کی رضامندی ضروری ہوتی اور قاضی کو اس سلسلے میں کوئی اختیار نہ ہوتا تو یہ بات بھی درست نہ ہوتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر طلاق کی آمادگی کے لیے دباؤ ڈالیں، وہ زیادہ سے زیادہ سفارش اور اپیل ہی کرسکتے تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں امام مالک کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی رائے اکثر فقہاء: اوزاعی، اسحاق، شعبی، طاوس، ابوسلمہ، ابراہیم، مجاہد اور امام شافعی رحمہم اللہ کی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے۔

احناف کے دلائل کا تجزیہ:

احناف کے دلائل اس مسئلے میں قابل غور ہیں۔ان کا یہ کہنا کہ اصل یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہے، تسلیم ہے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور زوجین کی مصلحتوں کی رعایت کے پیش نظر قاضی بھی بہت سی صورتوں میں تفریق کا مختار بن جاتا ہے۔ یہاں بھی زوجین کے بڑھتے ہوئے شدید اور ناقابل حل اختلاف کو پیش نظر رکھ کر جب قاضی کے نمائندے اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ ان دونوں میں تفریق اور علیحدگی ہوجانی چاہیے تو مقاصدِ نکاح کی حفاظت اور دونوں کو اللہ کی حدوں پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوگا کہ یہ لگام مرد سے لے لی جائے اور قاضی کی طرف سے مقرر شدہ حکم ازخود تفریق کردیں۔

احناف کا یہ استدلال کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شوہر کو اس کا قرار کرنے پر مجبور کیوں کیا کہ وہ بھی حکم کے فیصلے کے مطابق مصالحت اور علیحدگی ہر دوصورت پر آمادہ ہو۔ کیوں کہ اگر حکم کو اس کا اختیار ہوگا تو شوہر کا اقرار کرنا اور انکار کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بھی دوٹوک نہیں ہے۔ امام مالک اور ان کے ہم خیال حضرات کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی حیثیت وہی تھی جو نامرد کو طلاق کا حکم دینے کے سلسلے میں ہے۔

یعنی اگر شوہر نامرد ہو اور عورت نے یہ ثابت کردیا کہ وہ اس سے علیحدگی کی حق دار ہے تو قاضی پہلے خود شوہر سے کہے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے دے، مرد اگر اس پر آمادہ ہوگیا تو ٹھیک ہے ورنہ خود قاضی اس کی طرف سے عورت کو طلاق دے دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مطالبہ یہاں اسی نوعیت کا تھا کہ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر ہے ورنہ پھر قاضی کے نمائندے حکمین خود اس ناخوش گوار فریضے کو انجام دیں گے۔

ہمارے زمانے میں جہالت اور احکامِ شرع سے بے خبری اور اس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں ظلم وزیادتی اور اختلافات کی روشنی میں اگر اس مسئلے میں فقہائے مالکیہ کی رائے قبول کرلی جائے تو شاید مناسب ہو۔

یہ چند سطریں اس لیے لکھی گئی ہیں کہ علمائے کرام اور اربابِ افتا اس جزئیہ پر نظر ثانی کریں۔ واللّٰہ هو المستعان وعليه التكلان .

ان اُمور کے علاوہ ہمارے فلاسفۂ اسلام نے خلع کی روح اور حکمت بتائی ہے وہ بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے جو امام مالک کا مسلک ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

''خلع عورت کے اختیار میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شریعت نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے۔''

(جدید فقہی مسائل (حصہ دوم)، ص: ۹۷-۱۰۷۔ طبع حرا پبلی کیشنز، اُردو بازار، لاہور)



تحقیق و تنقید

قسط نمبر ①

کیا نبی ﷺ کا سایہ نہیں تھا؟

عامۃ الناس میں پھیلے ہوئے ایک غلط نظریے کی روشن دلائل سے پرزور تردید

(مولانا) عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ (مدرس مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، جھنگ صدر)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے مسئلے کی وضاحت کردی جائے جس کے متعلق بے علم عامۃ الناس میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور وہ مسئلہ ہے: سایۂ رسول ﷺ۔

کئی لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا اور یہ لوگ اس فاسد نظریے کی بنیاد ایک اور فاسد نظریے پر قائم کرتے ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ نوری مخلوق تھے اس لیے آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ ان میں سے جاہل غالی قسم کے لوگ تو آپ ﷺ کو نور من نور اللہ بھی مانتے ہیں، یہ لوگ دراصل شرعی دلائل سے بے خبر ہوتے ہیں اور ہر سنی سنائی بات پر اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں یا پھر بعض قصہ گو واعظین کی زبانی کچھ موضوع اور غیر ثابت الفاظ سن لیتے ہیں اور انھی کو حرف آخر سمجھ لیتے ہیں اور اسی کے مطابق اپنا نظریہ قائم کر لیتے ہیں وہ کبھی یہ سوچنا ہی گوارا نہیں کرتے کہ کیا ہمارا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ ہم کہیں غلط راستے پر تو نہیں چل رہے؟

بس جس کے دل میں یہ سوچ آجائے کہ قرآن وحدیث میں کیا لکھا ہے؟ اس مسئلہ کی کیا دلیل ہے؟ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے۔ ورنہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، رات دن مطالعہ میں وقت گزارنے والے خود اندھیروں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر یہ سوچ پیدا کردے کہ ہم قرآن وحدیث کے صریح دلائل کو چھوڑ کر اور اس کی روشنی سے بھاگ کر اندھیروں کی طرف نہ جائیں۔

آمدم برسر مطلب:

ان لوگوں کے دو دعوے ہیں:

(۱)......ایک یہ کہ آپ ﷺ نوری مخلوق ہیں۔

(۲)......دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

اور یہ لوگ پہلے دعوے کو دوسرے دعوے کی دلیل بناتے ہیں۔ گویا ان کی دلیل کے مقدمے اس طرح ہیں:

صغریٰ: آپ ﷺ نوری ہیں۔

کبریٰ: اور نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا۔

نتیجہ: آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

یہ لوگ یہ جھوٹا دعویٰ اس طرح کر جاتے ہیں گویا وہ پیارے نبی ﷺ کے ساتھ چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ دراصل ان لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات پتھر کی لکیر بن چکی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نوری مخلوق تھے اور نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے سائے کا انکار کرنے کی خاطر ان کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے ''قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام ﷺ'' نامی ایک رسالہ لکھا جو غیر ثابت اور موضوع ومن گھڑت روایات سے بھرا پڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے یہ دونوں ہی مقدمے باطل اور دلائل سے یکسر عاری بھی۔

دعوے کے پہلے مقدمے کا اِبطال:

ان لوگوں کا پہلا مقدمہ کہ آپ ﷺ ایک نوری مخلوق تھے بشری نہیں تھے، بالکل باطل ہے کیوں کہ یہ قرآن حکیم، صحیح احادیث نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے کے ساتھ ٹکراتا ہے، اس کی بنیاد ایک موضوع اور خود ساختہ روایت پر ہے:

من گھڑت روایتِ نور:

نور کے متعلق ایک روایت بیان کی جاتی ہے جو ان لوگوں میں بڑی مشہور ہے، وہ اس طرح کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں یہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر:

((ان اللّٰہ قد خلق قبل الأشیاء نور نبیك من نورہ .))

''سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا کیا۔''

پھر یہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں اللہ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت تک نہ لوح تھی، نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی، نہ دوزخ نہ کوئی فرشتہ، نہ آسمان، نہ زمین، نہ سورج، نہ چاند، نہ جن اور نہ انسان تھا۔ اس کے بعد جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور (محمد ﷺ) کے چار حصے کر دیے: پہلے حصے سے قلم پیدا کیا، دوسرے حصے سے لوح محفوظ، تیسرے حصے سے عرش۔

اور چوتھے حصۂ نور کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا:

پہلے حصے سے ملائکہ حاملین عرش پیدا کیے، دوسرے حصے سے کرسی، تیسرے حصے سے باقی فرشتے۔

اس کے بعد چوتھے حصۂ نور کو پھر مزید تقسیم کیا:

اس تقسیم کے مطابق پہلے حصے سے آسمانوں کو پیدا کیا، دوسرے حصے سے زمینوں کو، تیسرے حصے سے جنت و دوزخ کو۔

اس تقسیم کے چوتھے حصے کو پھر مزید چار حصوں میں تقسیم کیا:

پہلے حصے سے اہل ایمان کی آنکھوں کا نور پیدا کیا، دوسرے حصے سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا۔ اور وہ ہے معرفت الٰہی۔ تیسرے حصے سے ان کے نفوس کا نور پیدا کیا، یعنی نور توحید اور وہ ہے:

''لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ . ''

روایتِ نور کے اِبطال کی وجوہات:

یہ روایت متعدد وجوہ سے نا قابل اعتبار ہے:

۱: یہ قرآنِ حکیم، صحیح احادیثِ نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے کے بالکل خلاف ہے۔

۲: اس کی کوئی معروف سند نہیں ملی۔ محدث ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مشکاۃ کے حاشیے میں فرمایا ہے کہ اس کی اسناد معروف نہیں ہے۔ (مشکاۃ المصابیح: باب بدء الوحی)

شیخ محمد شنقیطی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''تنبیه الحذاق علی بطلان ما شاع بین الانام من حدیث النور المنسوب لمصنف عبدالرزاق'' رکھا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس رسالے میں سمجھدار لوگوں کو اس بات پر خبردار کیا ہے کہ عام لوگوں میں یہ جو نور والی حدیث پھیلی ہوئی ہے جس کی وہ نسبت مصنف عبدالرزاق کی طرف کرتے ہیں، یہ حدیث باطل ہے۔

۳: شیخ عدّاب محمود الحمش فرماتے ہیں: یہ حدیث بالکل موضوع ہے۔ اسے مصنف عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس میں یہ روایت نہیں ہے۔ (اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے ماہ نامہ الحدیث (حضرو) جلد: ۱، شمارہ: ۵، ص: ۱۷-۲۰) اور اس کی مکمل تحقیق و تفصیل دیکھنا چاہیں تو ''جعلی جزء کی کہانی علمائے ربانی کی زبانی'' دیکھ لیجیے، ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔

ہم ان لوگوں کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں ہیں، سننے کے لیے کان دیے ہیں، صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے عقل دی ہے، ان سے کام لیجیے اور انھیں قرآن وحدیث کے دلائل کے تابع کیجیے، نہ کہ قرآن وحدیث کو اپنی عقلوں کے تابع کیا جائے۔ قبر میں قرآن وحدیث کی روشنی ہی کام آئے گی، کوئی پیر صاحب یا مولوی صاحب وہاں بچانے کے لیے نہیں آئیں گے۔

دعوے کے دوسرے مقدمے کا اِبطال:

پھر ان لوگوں کا دوسرا مقدمہ بھی باطل ہے کہ نوری مخلوق کا سایہ

نہیں ہوتا۔ ذرا سوچیے کہ یہ کلیہ کہاں تک صحیح ہے کہ نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا؟ اگر صحیح بخاری ہی کی مراجعت کر لی جاتی تو پتا چل جاتا کہ نوری مخلوق کا بھی سایہ ہوتا ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

"باب ظل الملائكة على الشهيد."

(صحيح بخاري:كتاب الجهاد، باب:۲۰)

''شہید پر فرشتوں کے سایہ کرنے کا باب۔''

اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ جابر رضی اللہ عنہ اور ان کی پھوپھی دونوں رو رہے تھے اور پھوپھی کی روتے ہوئے کبھی آواز بھی نکل جاتی۔ انھیں نبی ﷺ نے فرمایا:

((تبكيه أو لا تبكيه ما زالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفعتموه.))

(صحيح بخاري، صحيح مسلم، سنن نسائي، مسند احمد: ۳/ ۲۹۸-۳۰۷)

''یہ اس پر روئے یا نہ روئے فرشتے اس پر اپنے پروں سے برابر سایہ کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ تم نے اس کو اُٹھالیا۔''

اس سے آپ بہ خوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ نوری مخلوق کا بھی سایہ ہوتا ہے۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ انسانی مخلوق چونکہ عام عادت میں نظر آنے والی چیز ہے اس کا سایہ بھی عام نظر آتا ہے اور نوری مخلوق چونکہ عام نظر آنے والی چیز نہیں اس کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ ہاں معجزانہ طریقے سے نظر آ سکتا ہے جس طرح کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا سایہ دکھایا تھا۔

اور نوری مخلوق مثلاً کوئی فرشتہ اگر بشری شکل اختیار کر کے آ جائے تو اس کا سایہ بھی نظر آ سکتا ہے جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام کے متعلق مشہور حدیث ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دو دن پانچوں نمازیں پڑھائیں۔ نمازوں کے اوقات بھی بتائے تھے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((صلى بي العصر حين كان ظله مثله.))

''جبرائیل علیہ السلام نے مجھے عصر کی نماز اس وقت پڑھائی تھی جب جبرائیل علیہ السلام کا سایہ ان کی مثل ہو چکا تھا۔''

اور اگلے دن جب ظہر کی نماز پڑھائی تھی تو بھی ان کا سایہ ان کی مثل تھا۔ اور جب عصر کی نماز پڑھائی تھی تو ان کا سایہ ان کی دو مثل تھا۔

(سنن ابی داود، حدیث:۳۹۳ و اسنادہ حسن)

اس تحقیق سے ان لوگوں کا پہلا مقدمہ بھی باطل ہوا کہ آپ ﷺ نوری مخلوق تھے۔ یہ نظریہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ سے صدفی صد متصادم ہے۔ اگر موقع ملا تو آئندہ کسی شمارے کے لیے بشریتِ رسول پر تفصیلی مضمون الگ سے لکھا جائے گا، ان شاءاللہ۔

دوسرے دعوے (عدم سایہ) کا اِبطال:

ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ باعتبارِ جنس بشری مخلوق تھے اور آپ ﷺ کا نظر آنے والا سایہ بشری تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ کسی بھی شخص کو سب سے زیادہ سمجھنے والی اس کی اپنی بیوی ہی ہوتی ہے۔ آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو ام المومنین سے بھی زیادہ جانتا ہوں تو کوئی بھی اس کے اس دعوے کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا۔

تو بھائیو سنو! ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی سائل نے پوچھا: ام المومنین! یہ بتائیے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ جواباً فرمایا:

"كان بشرا من البشر يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم نفسه." (مسند احمد: ٦/ ٢٦٥، سلسلة الصحيحة، رقم: ٦٧١)

''آپ ﷺ جنس بشر میں سے تھے اور کپڑے سے خود جوں تلاش کرتے اور بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنے کام خود کرتے۔''

(باقی آئندہ)

ضروری اعلان

معزز قارئین واحباب کی خدمت میں گزارش ہے کہ دارالدعوۃ السّلفیہ اورہفت روزہ الاعتصام کے لیے تعاون بذریعہ آن لائن بھیجتے وقت دفتر الاعتصام میں ضرور اطلاع کر دیا کریں تاکہ بھیجی گئی رقم اسی مدّ میں استعمال ہو سکے۔(ادارہ)

عبیداللہ لطیف کو صدمہ

محترم عبیداللہ لطیف صاحب چک ۳۰۶ ڈھیساں ضلع فیصل آباد کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین مرحومہ کے لیے مغفرت وبلندی درجات کے لیے دعا فرمائیں۔(پسماندگان)

بقیہ : تبصرہ کتب

ابن شاہین (۲۹۷ھ-۳۸۵ھ)۔الدارقطنی (۳۰۶-۳۸۵ھ) ازدی (۳۹۴ھ)۔ان حضرات کا ترجمہ تعارف ۳۲۹ سے ۳۵۴ تک کرایا گیا ہے۔

باب ہشتم: جرح وتعدیل کے متعلق تصانیف اورراویان حدیث کے متعلق تصانیف کا تذکرہ ص۳۵۲ سے ۴۵۹ تک کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

اپنے موضوع پر اس منفرد کاوش کا علمی حلقوں میں ان شاء اللہ العزیز شایان شان استقبال ہوگا۔اس کتاب کی پیشکش میں جس طباعتی ذوق کا اظہار کیا گیا ہے اس کے باعث یہ کتاب معیاری طباعت کا ایک عمدہ نمونہ بن گئی ہے۔علمی دنیا کے علماء،طلباء کو یہ علمی سوغات مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ مصنف اورادارہ تحقیقات اسلامی کی اس کاوش کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔آمین

ایک نظر ادھر بھی

کمر توڑ مہنگائی نے اچھے بھلے افراد اور باوسائل اداروں کی چیخیں نکال دی ہیں۔دارالدعوۃ السّلفیہ......جس کے تحت ہفت روزہ ''الاعتصام''، مدرسہ مصباح القرآن، محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری، المجلس العلمی السّلفی اور محمدی مسجد اہل حدیث...... پانچ ادارے مصروف عمل ہیں۔''دارالدعوۃ'' رحمت باری تعالیٰ سے شرابور، احباب کی محبت سے فیض یاب لیکن کم وسیلہ ادارہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل بے پایاں اوراحباب کی بے کراں محبت سے خدمتِ دین الٰہی میں رواں دواں ہے۔کئی سال سے رمضان المبارک سے دو ماہ قبل ہی اس کا توشہ بھی...... اخراجات کی رقم سے......خالی ہو جاتا ہے۔ادارہ امسال بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے۔سمجھ نہیں آتا کہ احباب سے کیا کہیں اور کس طرح کہیں؟

اُمید ہے کہ احباب گرامی تھوڑے لکھے کو یقیناً زیادہ جان لیں گے۔

والسلام مع الاکرام (مولانا)ابوبکر صدیق السّلفی (صدر) (حافظ)احمد شاکر (ناظم)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

علم جرح وتعدیل

مصنف: ڈاکٹر سہیل حسن
ضخامت: ۴۶۰ صفحات
قیمت: ۵۰۰ روپے
ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
تبصرہ نگار: حافظ محمد اشرف سعید، شالامار ٹاؤن، لاہور

علوم اسلامی کی تاریخ میں علم حدیث ایک منفرد اور ممتاز علم ہے اس کی انفرادیت و امتیاز ثقاہت، حجیت اور قطعیت کا باعث وہ علوم وفنون بھی ہیں جو اس کی استنادی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے وجود میں لائے گئے ہیں۔

حدیث کی حفاظت کا پہلا علم اسناد ہے اس کے بغیر حدیث کی حفاظت ممکن نہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک سند دین کا حصہ ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔(مقدمہ صحیح مسلم)

اور اسی طرح امام ابوعبداللہ حاکم کہتے ہیں اگر حدیث کی اسناد اور علماء کی اس کے لیے طلب وجستجو اور اس کے حفظ پر کثرت سے پابندی نہ ہوتی تو اسلام کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔(معرفہ علوم الحدیث)

سند کے عالم کو مزید اجلا کرنے کے لیے اسماء الرجال کا علم وجود میں آیا یعنی راویانِ حدیث کے سوانحی کوائف سیرت وکردار فضائل وخصائل اور تراجم وأحوال کی تفصیلات وجزئیات فراہم کرنا فن اسماء الرجال کا دائرہ کار ہے۔ سند کے ہر راوی کو پرکھنا اس کے حالات جاننا اور ائمہ کے اقوال کے مطابق حکم لگانا یہ تمام اُمور علم جرح وتعدیل کے ذریعے ہی جانے جاسکتے ہیں۔

کتاب ''علم جرح وتعدیل'' کے مصنف ڈاکٹر سہیل حسن حفظہ اللہ ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ایک علمی ودینی خانوادے کے چشم وچراغ ہیں جس کی علمی ودینی اور تدریسی خدمات کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے جاری ہے۔ ڈاکٹر سہیل حسن حفظہ اللہ نے جامعہ اسلام مدینہ منورہ سے ایم اے اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض سے ڈاکٹریٹ کی سند لی ہے۔ ان کا تخصص علم حدیث میں ہے۔ ایم۔اے کی ڈگری کے لیے اُنھوں نے السنن والاثار فی النهی عن التشبيه بالكفار کے عنوان سے مقالہ لکھا جو شائع ہو چکا ہے۔

اور ڈاکٹریٹ کے لیے اُنھوں نے ابن ارسلان الرملی کی شرح ابوداود پر تحقیقی کام کیا ہے۔ انھوں نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ''عبدالغفار حسن'' حیات وخدمات چھ سو صفحات کی ایک کتاب بھی لکھی جو شائع ہو چکی ہے اور ایک کتاب معجم اصطلاحات حدیث بھی ترتیب دی ہے جس میں اس فن کی تمام اصطلاحات کو جمع کر کے اس کو ایک قاموس بنا دیا ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے پانچ سو دس صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۹۰ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے وابستہ ہوئے آج کل ادارہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

فاضل مصنف نے اس کتاب علم جرح وتعدیل کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جس میں جرح وتعدیل کے متعلق تمام اہم مباحث بیان کر دیے ہیں۔

باب اول میں اسناد کی اہمیت وضرورت اسناد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اسناد عالی نازلی کے لیے ائمہ محدثین کے اسفار اور علمی مذاکرے۔

باب دوم: جرح وتعدیل کی لغوی او راصطلاحی تعریف اور علم جرح وتعدیل کی مشروعیت وجوازعلم جرح وتعدیل کے بارے میں غلط فہمی اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں جس سے جرح وتعدیل کی اصولی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

باب سوم: اسباب جرح احکام جرح وتعدیل راوی،ضبط کے لحاظ تعدیل راوی کا بیان۔

باب چہارم: راویانِ حدیث کے طبقات ،طبقہ کی تعریف، محدثین کرام کے طبقات کی معرفت کے فوائد۔طبقات صحابہ،صحبت کن اُمور سے معلوم ہوتی ہے،عدالت صحابہ کرام،طبقات تابعین اور طبقات اتباع التابعین۔

باب پنجم: احکام جرح وتعدیل،جرح وتعدیل میں تعارض یعنی کسی راوی کی عدالت اور جرح میں اختلاف ہو جائے تو تعارض ختم کرنے کے قواعد وضوابط اور ائمہ جرح وتعدیل کے مناہج۔

باب ششم: جرح وتعدیل کے الفاظ اور الفاظ جرح وتعدیل کے مراتب اور جرح وتعدیل کی اہم اصطلاحات اور ائمہ نقاد کے مخصوص الفاظ و اصطلاحات اور جرح وتعدیل کے اظہار کے لیے الفاظ کے ساتھ جسمانی حرکات سے مدد لینا۔

باب ہفتم: ائمہ جرح وتعدیل کے مشہور نقاد، ان کا مرتبہ ومقام، ان کے زہد وتقویٰ احتیاط و پرہیز گاری بے نفسی کا بیان اور علم جرح وتعدیل کی ابتدا اور ائمہ نقاد کے طبقات۔

اہل علم نے ائمہ جرح وتعدیل کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا۔ان میں بعض نقاد سخت اور بعض معتدل ہیں۔

پہلا طبقہ: اس میں حضرت شعبہ بن حجاج (ف ۱۶۵ھ) ہیں جو سخت نقادوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور حضرت سفیان ثوری (ف ۱۶۵ھ) کا شمار بھی اس طبقے میں کیا جاتا ہے۔

دوسرا طبقہ: اس میں یحییٰ بن سعید قطان (ف ۱۹۸ھ) جن کا شمار متشددین میں ہوتا ہے۔اور عبدالرحمٰن بن مہدی (ف ۱۹۸ھ) کا شمار معتدلین میں کیا جاتا ہے۔

تیسرا طبقہ: یحییٰ بن معین (ف ۲۳۳ھ) جو جرح میں بہت سخت ہیں۔امام احمد بن حنبل (ف ۲۴۱ھ) کا شمار معتدلین میں ہوتا ہے۔

چوتھا طبقہ: ابوحاتم رازی محمد بن ادریس (ف ۲۷۷ھ) ان کا شمار متشددین میں ہوتا ہے اور امام محمد بن اسماعیل بخاری (۲۵۶ھ) کا معتدلین میں۔

دوسری صدی ہجری کے ائمہ جرح و تعدیل امام اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ)۔شعبہ بن حجاج (۸۲ھ-۱۶۵ھ)۔سفیان ثوری (۹۷ھ-۱۶۱ھ)۔امام مالک (۹۳ھ-۱۷۹ھ)۔عبداللہ بن مبارک (۱۱۸ھ۔۱۸۱ھ)۔(ابن عیینہ (۱۵۷ھ-۱۹۷ھ)۔(یحییٰ بن سعید قطان (۱۲۵ھ-۱۹۸ھ)۔ابن مہدی (۱۳۵ھ-۱۹۸ھ)۔ ان حضرات کا ترجمہ وتعارف ص ۲۲۸ سے ۲۷۵ تک ہے۔

تیسری صدی ہجری کے بعض ائمہ نقاد یحییٰ بن معین (ف ۱۵۸ھ -۲۳۳ھ)۔علی بن مدینی (۱۶۱ھ-۲۳۴ھ)۔احمد بن حنبل (۱۶۴ھ -۲۴۱ھ)۔ الفلاس (۱۶۵ھ-۲۴۹ھ)۔ بخاری (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ)۔ الجوزجانی (۲۵۹ھ)۔عجلی (۱۸۲ھ-۲۶۱ھ)۔مسلم (۲۰۴ھ۲۶۱ھ)۔ابو زرعہ (۲۰۰ھ-۲۶۴ھ)۔ابوداود (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ)۔ابوحاتم رازی (۱۹۵ھ-۲۷۷ھ)۔فسوی (۲۷۷ھ)۔الترمذی (۲۰۹ھ-۲۷۹ھ)۔ ابن خراش (۲۸۳ھ)۔ان حضرات کا ترجمہ وتعارف ص ۲۷۲ سے ص ۳۲۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعض ائمہ نقاد۔النسائی (۲۱۵ھ-۳۰۳ھ) الساجی (۳۰۷ھ) ۔ ابن خزیمہ (۲۲۳ھ-۳۱۱ھ) ۔ ابن ابی حاتم (۲۴۰ھ-۳۲۷ھ) ۔ ابن عدی (۲۷۷ھ ۔ ۳۶۵ھ) ۔ابو احمد حاکم (۳۷۸ھ)۔

(باقی صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۸۹۳ء۲۹۷ عبدالقادر آزاد

ع ل اختساب قادیانیت، جلد (۳۵)، ص: ۶۱۶۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔عبدالقادر آزاد۔مرزائیت غیر مسلم اقلیت اپنی تحریروں کے آئینے میں۔

۲۔عبدالقادر آزاد۔اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور حکمتیں۔

۳۔عبدالقادر آزاد۔یہ ہے قادیانی مذہب۔

۴۔حافظ محمد ایوب دہلوی۔ختم نبوت۔

۵۔سعید الرحمان انوری۔انا ختم النبیین لا نبی بعدی۔

۶۔محمد اسحاق۔مرزا غلام احمد اور نبوت۔

۷۔عتیق الرحمٰن چنیوٹی۔قادیانی فتنہ۔

۸۔عتیق الرحمٰن چنیوٹی۔قادیانی نبوت (پیغام محمدیت بجواب پیغام احمدیت)۔

۹۔عتیق الرحمٰن چنیوٹی۔قادیانی اُمت کا دجل۔

۱۰۔محمد غلام جہانیاں۔ارشاد فرید الزمان متعلق مرزا قادیان۔

۱۱۔علامہ احسان الٰہی ظہیر۔مرزائیت اور اسلام۔

۱۲۔ابراہیم کمیر پوری۔فسانہ قادیان۔

۱۳۔ابراہیم کمیر پوری۔مرزائے قادیان کے دس جھوٹ، مع جواب الجواب۔

۸۹۳ء۲۹۷ عبدالرشید

ع ل اختساب قادیانیت، جلد (۳۶)، ص: ۶۱۶۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔

۱۔عبدالرشید۔ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

۲۔عبداللہ محدث روپڑی۔مرزائیت اور اسلام۔

۳۔منظور احمد حسینی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان کی چند علامات۔

۴۔منظور احمد حسینی۔مرزا قادیانی کے وجوہ کفر۔

۵۔ منظور احمد حسینی۔شرم ناک قرار۔

۶۔محمد اسماعیل سہام۔مقام مرزا۔

۷۔مہر الدین۔حیات عیسیٰ علیہ السلام۔

۸۔محمد سلطان نظامی۔کذاب نبی۔

۹۔سید احسن شاہ۔مسیح قادیان کے حالات کا بیان۔

۱۰۔مسلمان احمد خان۔مرزائیوں کے دجالی استدلال کی حقیقت۔

۱۱۔محمد اسحاق قاضی۔تذکرہ حقائق۔

۱۲۔عبدالمجید شاہ امجد۔میں اور قادیان۔

۱۳۔نعیم صدیقی وسعید احمد ملک۔تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ۔

۱۴۔چوہدری افضل حق۔فتنہ قادیان۔

۱۵۔چوہدری افضل حق۔تکمیل دین اور ختم رسالت۔

۱۶۔چوہدری افضل حق۔میٹھی چھری، مرزائی بدعقلی اور حماقت کی انتہا۔

۱۷۔منظور احمد الحسینی۔عقیدہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں۔



زیر نگرانی
شیخ العربیۃ
مولانا محمد بشیر حفظہ اللہ

معھد اللغۃ العربیۃ
INSTITUTE OF ARABIC LANGUAGE - ISLAMABAD

اسلام آباد
پاکستان

پاکستان میں
تعطیلات گرما میں
منفرد مثالی پروگرام

فہم قرآن اور عربی بول چال کیلئے

2 تا 28 جون

عربی زبان کے شارٹ کورسز

تعلیم یافتہ عام افراد، حفاظ قرآن، سکول اور کالجز کے طلبہ وطالبات اور دینی مدارس کے اساتذہ ومعلمات کیلئے

عربی بول چال میں مہارت کے خواہاں

1 مدارس کے اساتذہ ومعلمات اور علماء کیلئے

عربی بول چال کا 25 روزہ خصوصی پروگرام

مدارس کے اساتذہ ومعلمات اور سینئر طلبہ وطالبات بوجوہ عربی بولنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ اس کورس میں چندر روز کی زبردست خصوصی مشقوں کے بعد وہ عربی میں روانی سے بات چیت کر سکیں گے اور اپنا لیکچر عربی زبان میں دینے کے قابل ہوں گے نیز عربی اور اسلامی علوم کی جدید اور موثر طریقوں سے تدریس سے آگاہ ہونگے۔

خصوصیات: عربی بول چال میں روانی کیلئے دلچسپ مشقیں☆ عربی میں لیکچر دینے کی خصوصی مشق☆ عربی زبان کو عوام میں فہم قرآن کا آسان ذریعہ بنانے کی تربیت☆

دورانیہ: 2 تا 28 جون آخری تاریخ داخلہ: 31 مئی

قرآن سمجھ کر تلاوت کرنے کے خواہش مند

2 حفاظ کرام اور حافظات کیلئے

سپوکن عربی اور فہم قرآن کا منفرد پروگرام

حفظ قرآن کریم کی عظیم سعادت حاصل کرنے والے 95 فیصد حفاظ اور حافظات قرآن کریم کا مطلب نہیں جانتے۔ حفاظ اور حافظات کیلئے اپنی نوعیت کے اس منفرد پچیس روزہ اس پروگرام کے بعد ہر حافظ اور حافظہ (۱) عربی زبان میں روانی سے گفتگو اور (۲) قرآن کریم کی تمام آیات کا ترجمہ خود کرنے کے قابل ہوگا۔

خصوصیات: عربی بول چال کی دلچسپ مشقیں☆ عربی اسباق کے ذریعہ آیات سمجھنے کی تربیت☆

دورانیہ: 2 تا 28 جون آخری تاریخ داخلہ: 31 مئی

سپوکن عربی اور فہم قرآن کے خواہاں

3 عام افراد اور کالج/یونیورسٹی سٹوڈنٹس کیلئے

سپوکن عربی اور فہم قرآن کا خصوصی پروگرام

عربی سیکھنے کے خواہاں افراد مقصد (خواہ فہم قرآن ہو یا بول چال میں مہارت) کیلئے کل وقتی خصوصی پروگرام جس میں وہ چند روز میں بآسانی عربی میں بات چیت کے ساتھ ساتھ 2500 تک قرآنی آیات کا ترجمہ بآسانی خود کر سکیں گے۔

خصوصیات: عربی زبان مختصر وقت میں سیکھنے کا شاندار موقع☆ سپوکن عربی اور قرآن کریم کا بے مثال ربط☆ ہر سبق میں سینکڑوں جملے بولنے اور درجنوں آیات کو سمجھنے کی پریکٹس☆

دورانیہ: 2 تا 28 جون آخری تاریخ داخلہ: 31 مئی

داخلہ کیلئے داخلہ فارم (ویب سے ڈاؤن لوڈ کیجئے) اپنی تصویر، شناختی کارڈ کے ہمراہ (بذریعہ ای میل/ڈاک) بھجوایئے۔ انٹرویو (بذریعہ ٹیلی فون) جاری ہیں۔

رہائش کیلئے محدود نشستیں پہلے آیئے، پہلے پایئے کی بنیاد پر طالبات اور معلمات کیلئے الگ باپردہ کلاسز اور ہوسٹل کورس کے اختتام پر سرٹیفکیٹ اور انعامات

مزید تفصیلات کیلئے: معھد اللغۃ العربیۃ
www.arabicpakistan.com

کوٹھی نمبر 15۔ مین نیلم روڈ، جی نائن تھری، اسلام آباد
فون 051-2250535 موبائل 0321 5152880

معراج

بہت خاص جلوے دکھائے گئے ہیں
حبیب ﷺ خدا ہیں بلائے گئے ہیں
وہ راز آج تک جو چھپائے گئے ہیں
ہمارے نبی ﷺ کو بتائے گئے ہیں
وہ لوح و قلم ہیں ، یہ ہیں عرش و کرسی
بتدریج پردے اُٹھائے گئے ہیں
درودوں کے ہدیے ، نمازوں کے تحفے
نبوت کے دامن میں پائے گئے ہیں
ابھی عرش پر ہیں ، ابھی فرش پر تھے
ذرا دیر میں آپ آئے گئے ہیں
وہ علم و یقیں ہوں کہ حسن و محبت
یہ سب ایک مرکز پہ لائے گئے ہیں
تجلی کی شدت ، وہ جبروت و ہیبت
نظر اور دل آزمائے گئے ہیں
زمیں پر ہیں زیرِ قدم لالہ و گل
فلک پر ستارے بچھائے گئے ہیں
ہے معراجِ ارض و سما آج ماؔہر
سجائے گئے ، جگمگائے گئے ہیں

(ماؔہرالقادری)